آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

Digitized by Khilafat Library

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۶ء نمبر ۱۲

فہرست مضامین

اسلامی اور عیسائی مذہبی جنگ - ۴۶۲ - ۴۷۳

عیسائی مذہب کا انجام - ۴۷۳ - ۴۷۶

عیسائی مشنری اور مسلمان - ۴۷۶ - ۴۷۸

گرجونکو دلکش بنانیکے نئے حیلے - ۴۷۸ - ۴۷۹

شرقیوں اور غربیوں میں اخلاق کے مفہوم کا فرق } ۴۷۹ - ۴۸۰

رسوم جاہلیت ۴۸۰ - ٹائٹل پیج صفحہ ۳

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹائٹل پیج - ۲

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ - دسمبر ۱۹۰۶ء کو میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ ۱۲

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(غالباً) ۱۰- نومبر ۱۹۰۶ء- رؤیا- دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہوگئی- تو میں واپس آگیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں- واپس آتے ہوئے بھی راستہ میں گرد و غبار کے سبب بہت تاریکی ہوگئی اور گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر ہاتھ میں پکڑا ہے- چند قدم چل کر روشنی ہوگئی- آگے دیکھا کہ ایک بڑا چبوترہ ہے اسپر اُتر پڑا- وہاں چند ایک لڑکے ہیں- انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبدالکریم آگئے- پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم آرہے ہیں- اُنکے ساتھ میں نے مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا- مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی ہے اور کہا- کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے- وہ چیز اس طرح ہے جیسا کہ خرگوش ہوتی ہے- بادامی رنگ- اسکے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے ایک قلم لگا ہوا ہے- اس نالی کے اندر ہوا بھری ہوئی ہے جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے- میں نے کہا کہ میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا- مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا- میں نے کہا اچھا میں مولوی صاحب کو یہ دیدونگا- اس کے بعد بیداری ہوگئی- تعبیر- عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہو سکتے ہیں اور خدا نے قرآن شریف میں اپنے نیک بندوں کو بھی فرعون کی عورت اور مریم سے تشبیہ دی ہے اور قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کرے کہ وہ مخالفین کے ردّ میں اعلیٰ مضامین لکھیں- واللہ اعلم بالصواب- ۱۳- نومبر ۱۹۰۶ء- ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر- یعنی کسی نشان کو ہم منسوخ نہیں کرتے یا فراموش نہیں کراتے مگر اس سے بہتر نشان عطا کرتے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے- اور گویا میں کسی کو کہتا ہوں- لا تخف ان اللہ معنا- اور کشفی نظر میں ایک نواب جیسا سامنے آیا اور ساتھ ہی یہ الہام ہوا- اے سیفیہ اپنا رخ پھیر لے جسکی نسبت یہ تفہیم ہوئی- کہ اسکے بعض شرکاء خاندان جو اس سے تنازع کرتے ہیں کسی وقت اسپر غالب آجائیں گے اور سیفیہ سے مراد تنبیہ ہے چند روز کا الہام- رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً- ۱۵- نومبر ۱۹۰۶ء- الہام- اور ہو وہ یگانہ جس نے کام بنا دیا- بنا دیا توڑے کوئی اسکا بھید نہ پاوے- (۲) مکفرین کا بیڑا غرق ہوگیا- (کسی کے قول کی طرف اشارہ ہے) (۳) تیری دعا قبول کی گئی- ۱۸- نومبر ۱۹۰۶ء- رؤیا- (۱) دیکھا کہ ہمارے باغ میں کوئی ایک آدمی ایک جڑھ لگا رہا ہے- پھر غیب سے آواز آئی- مبارک- (۲) پھر ایک نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اسکے بعد الہام ہوا- ما وقفت موقفاً اغیظ من ہذا ان بطش ربک لشدید- ۲۲- نومبر ۱۹۰۶ء- ربّ احفظنی فان القوم یتخذونی سخرۃ- ۲۳- نومبر ۱۹۰۶ء- انّ اللہ منّ علیکم و اعطیک ما اعطیک- ان الذین لا یلتفتون الیک

الیس اللہ بکاف عبدہ- پھر الہام ہوا- مبارکباد-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

اسلامی اور عیسائی مذہبی جنگ

اس بات کا ذکر پہلے حصہ مضمون میں گذر چکا ہے کہ اسلام اور عیسائیت نے مذہب کے لیے تلوار اُٹھانیکے بارے میں کیا کیا تعلیمات پیش کی ہیں۔ اب یہ دکھانا باقی ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں خلق خدا کا خون ناحق گرانے کی کونسی قوم مرتکب ہوئی ہے۔ اور کس نے لوگوں کو بیدریغ تہ تیغ کرنے سے ظلم کا بیڑا اُٹھایا۔ یہ ایک ایسا مسلم امر ہے کہ جس کے ماننے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ کہ اوائل میں مسلمان ایک بے ضرر اور ناتواں قوم تھی۔ اور وہ نہایت امن اور صلح اور حکمت و موعظت سے اپنے دین کی اشاعت میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن سخت ظالم اور بداندیش دشمنوں نے انہیں ناحق طرح طرح کی عقوبتوں میں ڈالنے کی سبقت کی۔ اور دردناک دکھوں اور اذیتوں سے ایسا ستاتے کہ مصایب صبر اور برداشت کی انتہا سے تجاوز کر گئے۔ آخر جانوں کا بچانا ضروری ہوا۔ مسلمانوں نے یوں مجبور ہو کر اوس کمزوری اور غربت کیحالت میں ایک خونخوار اور جنگجو دشمن کے مقابلہ میں آخر تلوار اُٹھائی۔ اُدھر عیسائیوں کو دیکھو کہ انہوں نے جب مذہب کے لیے تلوار ہاتھ میں لی تو اوسوقت وہ روم جیسی بڑی بھاری سلطنت کے مالک ہو کر دنیاوی اقتدار اور طاقت حاصل کر چکے تھے۔ اور ایک عالم پر اپنے رعب و حکومت کا سکہ جما چکے تھے۔ پھر مسلمان تو اونہیں لوگوں سے لڑے جنہوں نے اونکو دکھ دیے اور اونکے امن کو چھینا اور اونپر مظالم سے ہاتھ صاف کیے۔ لیکن عیسائی بہادر اپنی ہی باامن اور صلح جو غیر عیسائی رعایا کو یسوع مسیح کی خدائی منوانیکے لیے تہ تیغ کرتے رہے۔ اور مسلمان تو مذہبی عقوبتوں کے انسداد کے لیے لڑتے رہے۔ پر عیسائیوں نے اپنے مذہب کے لیے زور بازو دکھا کر مذہبی عقوبت اور ایذارسانی کا اصل قایم کیا۔ یہی ایک بڑا نمایاں فرق عیسائی اور اسلامی مذہبی جنگوں کے درمیان ہے۔

یہ صحیح بات ہے کہ پولوس نے عیسوی مذہب میں داخل ہونیکے لیے بہت سی آسانیاں ایجاد کر دی تھیں

لیکن باوجود ان آسانیوں کے حضرت مسیح سے تین سو برس بعد تک یہ مذہب کوئی بڑی نمایاں ترقی نہ کرسکا اس سارے زمانہ میں صرف روم میں ہی عیسائی مذہب کا بڑا زور اور چرچا رہا مگر تین سو برس تک عیسائیوں کی تعداد اس سلطنت میں نہایت قلیل تھی یہانتک کہ جب بادشاہ قسطنطین اس مذہب میں داخل ہوا تو اوس وقت بڑی مشکل سے سومیں ایک شخص عیسائی نظر آتا تھا۔ چنانچہ اسی کی تائید میں گبن نے جلد ۲ فصل ۱۵ میں تحریر کیا ہے کہ "آریجن کی معتبر شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر عیسائیوں کی کثرت کے سامنے عیسائیونکی تعداد کی نسبت بہت ہی کم تھی۔ اس تعداد کے حق میں جو اندازہ انطاکیہ اور روم کی مثالوں سے سمجھ میں آتا ہے وہ بھی ہمیں اس بات پر قیاس کرنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اس سلطنت کی رعایا کے بیسویں حصہ سے زیادہ لوگوں نے قسطنطین کے عیسائی ہونے سے پہلے اپنے آپ کو علمِ صلیب کے نیچے منسلک کیا ہو۔"

قسطنطین کا عیسائی دین قبول کرنا کیا تھا اسکی کایا پلٹ دینا تھا۔ پہلے تو ترغیب و تحریص سے عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی مگر اس طریق کو ناکافی سمجھ کر بعد میں جبر اور زور و ظلم سے عیسائیوں کی تعداد کا بڑھانا شروع ہوا۔ وہ عیسائی جو پہلے کسی زمانہ میں رومیوں کے ظلموں کے شاکی تھے کہ محض عیسائی مذہب کی خاطر ان پر ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ اب خود اس بات کو روا رکھنے لگے کہ غیر عیسائیوں کو محض ان کے مذہب کی وجہ سے دکھ دینا جائز ہے۔ ظاہری طاقت اور سلطنت ہاتھ میں آتے ہی عیسائیوں نے اس بات کو اپنا فرض سمجھ لیا کہ بت پرستی کو بجبر نیست و نابود کرنا چاہیئے۔ چنانچہ گبن لکھتا ہے کہ "زمانہ تھیوڈوسیس میں جس طرح بت پرستی کو برباد کیا گیا وہ تمام دنیا میں کسی قدیم اور مشہور وہم پرستی کو صفحہ ہستی سے قطعی طور پر مٹا دینے کی ایک ہی مثال ہے۔ اور اس لیے یہ حق ہے کہ انسانی دل کی تواریخ میں اس کو ایک ہی بے نظیر واقعہ تسلیم کیا جائے عیسائی اور خصوصاً کلیسیا کے عہدہ دار اور پادری بڑی بے صبری سے قسطنطین کا اس توقف میں ساتھ دے رہے تھے جو اس کی طرف سے عیسائی دین کے بجبر پھیلانے میں ظہور میں آرہا تھا۔ اور اسی طرح بے صبری کے ساتھ انہوں نے بڑے ویلنٹینین کے زمانے میں انتظار کیا جب مذہب کی خاطر کسی کو دکھ نہ دیا جاتا تھا کیونکہ وہ اپنی فتوحات کو اوس وقت تک مکمل اور پائدار نہ سمجھتے تھے جب تک کہ اون کے حریف زندہ چھوڑے جاتے۔ امبروس اور اوس کے بھائیوں نے جو اثر گریشین پر اس کی نوجوانی کی وجہ سے اور تھیوڈوسیس پر اس کی پاکبازی کی وجہ سے حاصل کر لیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بادشاہوں کے دلوں میں مذہب کی خاطر لوگوں کو دکھ اور تکلیفیں پہنچانے کے اصول نے مضبوط جگہ پکڑ لی۔" ایسا ہی مشہور مورخ لیکی اپنی تواریخ اخلاق یورپ میں بیان کرتا ہے "کہ دینی اخلاق کا بہت بڑا حصہ اون تحریروں سے اخذ کیا گیا جن میں لکھا گیا تھا کہ مذہب کی خاطر قتل عام کرنا خدا کا خاص اور تاکیدی حکم ہے اور قتل بھی ایسا جس سے زیادہ بے رحمانہ اور خون آشام قتل کا تاریخ سے پتہ نہیں ملتا

اور ایسا ہی ان تحریروں پر جنکے بنائے اخلاق رکھی گئی جن میں تمام اخلاقی امور سے بڑھکر بت پرستی کو دنیا سے جبراً مٹانے کو خاص فوقیت اور ترجیح دیگئی تھی۔ اور جنمیں مذہب کی خاطر ایذا رسانی کی روح کو بڑے فصیح اور پُرجوش کلام کے پیرائے پہنائے گئے تھے ۔۔۔۔ اُس مذہب کے خلاف جسکا نشان مٹایا جارہا تھا یہ نیا مذہب یعنی عیسائی مذہب اس بات کا مدعی تھا کہ اسے لوگوں کے افعال اور راؤں کی آزادی کو روکنے اور ان میں دخل دینے اور انہیں اپنے منشاء کے مطابق چلانیکا حق ہے اور اس کے معلم مذہبی معاملات میں ایسی آزادانہ رائے دینے کو جو انکی رائے سے کچھ اختلاف رکھتی ہو نہایت خطرناک اور سیاہ جرم قرار دیتے تھے۔"

ڈریپر لکھتا ہے کہ "مذہبی لوگوں میں عام رائے یہی تھی کہ لوگوں کو اونہیں باتوں پر ایمان رکھنے کے لیے مجبور کرنا جائز ہے جن پر گروہ کثیرہ ایمان لاچکا تھا اور اگر کوئی انکار کرے تو اُسے سزا دینا بھی درست ہے۔" چنانچہ مشہور و معروف عیسائی پادری سینٹ اگسٹائین کے بارے میں لیکی نے تحریر کیا ہے کہ "کچھ عرصہ کے لیے اوس نے مذہبی ایذا رسانی سے پہلوتہی کیا بلکہ اس کی مذمت بھی کرتا رہا لیکن تھوڑے عرصہ میں اوسکو معلوم ہوگیا کہ جن اصول مذہب کو وہ قبول کرچکا ہے انکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مذہب کی خاطر ایذا رسانی کے اصل کو تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ آخر مذمت کرنے سے رجوع کرکے اس نے اپنی ساری ذہانت اسی بات کے ثابت کرنے میں صرف کی اور بار بار اسپر زور دیا اور مذہب کی خاطر ایذا رسانی کے مسئلے کا وہ خود واضع اور حامی و وکیل بن گیا۔ جن دلایل کی بنا پر اگسٹائین ایذا رسانی کی حمایت کرتا تھا اکثر اون میں وہی تھے جو مَیں نے ابھی بیان کیے ہیں۔ بعض کا ماخذ تو یہ عقیدہ تھا کہ سوائے عیسائی مذہب کے نجات کہیں نہیں مل سکتی۔ اور بعض عہد نامہ عتیق کے واقعات سے ماخوذ تھے وہ کہا کرتا تھا کہ کفار کو سزا دینا خواہ وہ سزائے موت ہی کیوں نہ ہو دراصل اونپر رحم ہے۔ کیونکہ اس سے وہ اور دوسرے غیر عیسائی اوس ابدی عذاب سے نجات پا جاتے ہیں جس کے وہ مستوجب ہیں۔ کتب مقدسہ میں لکھا ہوا تھا کہ الحاد زناکاری کے مساوی ہے۔ اور خطرناک اور بدترین قسم کا قتل ہے کیونکہ اس سے روح قتل ہوجاتی ہے۔ یہ کفر کی ایک شکل ہے اور یہ تمام دلایل ایسے ہیں کہ انکی بنا پر اونکو سزا دینا جائز اور حق ہے۔ اور عہد نامہ جدید میں جو ثابت نہیں ہوتا کہ حواریوں نے کہیں جبر اور زور سے کام لیا ہو تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اونکے زمانہ میں کسی فاضل پیشوائے مذہب نے یہ دین قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن کیا الیاس نے اپنے ہاتھوں سے بعل کے کاہنوں کو ہلاک نہ کیا؟ اور کیا حزقیاہ اور جوسیا۔ شاہ نینوا اور بخت نصر نے نیا دین قبول کرنیکے بعد اپنی سلطنتوں میں سے جبراً بت پرستی کو تباہ نہیں کیا؟ اور کیا اونکی کھلے طور پر اس نیک عمل کے لیے تحسین اور تعریف نہیں کی گئی؟ یہ سینٹ اگسٹائین ہی تھا کہ جس نے مذہبی ایذا رسانی کے خیال کو ادا کرنیکے لیے یہ جملہ ایجاد کیا کہ انہیں مذہب میں داخل ہونے کے لیے مجبور کرنا چاہیئے۔"

غرض اس طرح جونہی کہ عیسائی مذہب کو دنیاوی سلطنت ہاتھ لگ گئی اوسی وقت سے اپنی ہی رعایا کو جن کے ہاتھ سے انکو کچھ بھی گزند نہ پہنچا تھا اور نہ کسی قسم کا خطرہ تھا سخت بے رحمی سے مذہبی عفو بتوں کا تختۂ مشق بنایا یہ ایسے ظالمانہ کام تھے کہ مسلمانوں میں جو بڑے ظالم بادشاہ بھی گذرے ہیں اون سے بھی ایسے ظلم ظہور میں نہیں آئے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ کسی مسلمان بادشاہ نے ملک گیری کی خاطر بہت کشت وخون کیا ہو اور بعض وقت ناحق خون بھی گرایا ہو۔ لیکن یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ اونہوں نے کبھی ایسے مکروہ فعل کا ارتکاب کیا ہو کہ جو لوگ اون کے ماتحت امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوں اونہیں ایذائیں پہنچائی ہوں اور نہ تیغ کیا ہو صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ان کا دین قبول نہ کیا ہو۔ ایک عیسائی مضمون نویس لکھتا ہے کہ "مسلمانوں میں جو روح دوسرے مذاہب کے خلاف پھونکی گئی تھی اس کی کافی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ جب کبھی کسی ملک کو وہ فتح کر لیتے تو اوس کے مندروں اور گرجوں کو مسجدیں بنا لیتے" مگر جس حال میں کہ مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں ہزاروں پرانے مندر اور گرجے آجتک قایم کھڑے ہیں تو ایک یا دو واقعات کی بنا پر کسی امر کو عام طور پر قیاس کر لینا سخت غلطی ہے۔ جس مذہبی تعصب اور جوش میں آکر عیسائی پیشواؤں اور بادشاہوں نے قدیم رومیوں سے دیوتاؤں کے مندروں کو (جو یونانی فن تعمیر کی نہایت عمدہ اور بلند شان یادگاریں تھیں) تباہ کیا اوس کی مثال دنیا کی وحشی ترین قوموں کی تواریخ میں بھی کہیں پائی نہیں جاتی۔ اور جب ہم ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ ایسے ظلم عیسائیوں نے جنگوں کے دقتوں میں نہیں کیے کہ جب کسی حریف کو پورے طور پر مغلوب کرنے کے جوش کی وجہ سے وہ کسی حد تک معذور سمجھے جا سکیں بلکہ عیسائی سلاطین کے مظالم با امن زمانہ میں اپنی ہی صلح جو رعایا پر دیدہ دانستہ محض اون کے عیسائی مذہب کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے کیے گئے تو اوس وقت انکی درشتی اور مکروہیت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ ہم ذیل میں گبن کی ایک عبارت کا اقتباس کرتے ہیں جس سے ناظرین کو پتہ لگ جائیگا کہ عیسائیوں میں تعصب اور مذہبی جوش میں آکر ایذا رسانی کی روح کس حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "سائی نے جیئس کو جو مشرقی علاقہ کا حکمران تھا اور رازان بعد ہٰذہ دو ناموں جوئیس اور گنڈنیٹیس کو جو مغربی ممالک کے دو نامور اور مشہور و معروف حاکم تھے خاص حکم نامہ عطا کیا گیا تھا جس کی رو سے انکو حکم دیا گیا تھا کہ تمام مندروں کو بند کر دیں اور تمام آلات بت پرستی کو جبراً ضبط کر کے ضایع کر دیں۔ اور تمام تبرکات اور جائداد کو ضبط کر کے بادشاہ یا گرجا یا فوج کے فایدہ کے لیے تصرف میں لادیں۔ چاہیے تھا کہ یہ غارتگری یہیں روک دی جاتی اور وہ عریان عمارات جنہیں اب بتوں کی عبادت بند ہو گئی تھی اس مذہبی جوش کے تباہ کن حملوں سے بچائی جاتیں۔ بہت مندر اون میں یونانی فن تعمیر کے بہت عالی شان اور خوبصورت یادگار تھے۔ اور بادشاہ کا اس میں اپنا فایدہ تھا کہ اپنے شہروں کی عظمت اور شان کو یوں تباہ نہ ہونے دیتا اور اپنے مقبوضات کی قدر و قیمت

میں نقصان واقع نہ ہونے دیتا۔ لازم تھا کہ ان شاہانہ عمارات کو بحال رہنے دیا جاتا تاکہ یہ یسوع مسیح کی فتوحات کی مستقل یادگاریں رہ جاتیں۔ فنون اور علوم کے تنزل کے زمانوں میں (جو عیسائی مذہب کے ساتھ شروع ہو گئے تھے) یہ بہت کام آنیوالی تھیں - ان میں میگزین بن سکتے۔ کارخانے جاری ہو سکتے تھے - اور مجالس اور مجمعوں کے کام آسکتے تھے اور شاید ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ جب ان مندروں کی دیواریں عیسائی رسوم کے ذریعہ سے پورے طور پر پاک اور صاف کر لیجاتیں تو ان میں خدا کی پرستش کرنے سے پرانی بت پرستی کے گناہ دور ہو کر پاک ہو جاتے .... بادشاہوں کے قوانین سے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اون میں کسی قدر رفق اور نرمی کے آثار موجود تھے لیکن اون کی کوششیں کچھ ایسی سرد مہری سے لبریز اور ڈھیلی اور بے جان ہوتی تھیں جو کلیسیا کے بڑے بڑے مقدس بزرگوں اور پیشواؤں کے مذہبی جوش اور جبر و غضب کی موج کو روکنے کے لیے کافی نہ تھیں ملک فرانس میں مقدس مارٹن بشپ طورس اپنے درویشوں کو ہی لیکر اپنے وسیع علاقہ کے بتوں اور مندروں اور مقدس درختوں کو تباہ کرنے کے لیے نکل پڑا۔"

وہ واقعہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ کسطرح مارسلس نے جو ملک شام کا ایک بشپ تھا اپنے ملک کے مشتری دیوتا کے مندر کو تباہ کرنے کا عزم کیا۔ مگر اوسکی عمارت ایسی مضبوط اور پائدار تھی کہ بڑے بڑے مضبوط آلات بھی کچھ کام نہ دے سکے۔ پھر اپنے دل کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اس جوشیلے بشپ نے اوس مندر کی بنیادوں میں سرنگیں لگا دیں۔ کارتھیج کا وہ عظیم الشان زہرہ کا مندر جو دو میلوں میں محیط تھا اور روم کا وہ شاہی گنبد جسکو کل دیوتاؤں کے مندر کے نام سے منسوب کرتے تھے چھین کر گرجے بنائے گئے۔ اور جن پادری صاحبان کو مسلمانوں کی جنگجو اور خونریز قوم ہونے پر یہ ایک قطعی دلیل معلوم ہوتی ہے کہ قسطنطنیہ کے سینٹ صوفیا کے گرجے کی مسجد بنا لیگئی تھی اونہیں چاہیئے کہ وہ اپنے دین عیسوی کی اون مثالوں کو یاد کریں کہ جنمیں بیشمار مندر گرجے بنائے گئے۔ لیکن اگر عیسائی صاحبان نے کل کے کل مندروں کو (چھوٹے چھوٹے بتوں کی پرستش دور کر کے اور اونکی بجائے ایک بڑے بت کی پرستش کو قایم کر کے) گرجوں میں تبدیل نہیں کیا تو یہ کوئی خوبی کی بات یا قابل تحسین امر نہیں۔ کیونکہ خود گبن نے لکھا ہے کہ "مذہبی دیوانوں کی بے ترتیب بیقاعدہ اور بے اختیار افواج رومی دنیا کے ہر صوبہ و علاقہ میں امن سے بستی ہوئی رعایا پر حملے کرتی رہتی تھیں - اور قدیم زمانہ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی عمارات کے کھنڈرات اسوقت تک بھی اون وحشیوں کے حملوں کو یاد دلاتے ہیں جن کی طبایع خاص طور پر ایسی خطرناک تباہیوں کے لیے استعداد اور میلان رکھتی تھیں اور جنہوں نے بڑی محنت سے ان کھنڈروں کے بنانے میں اپنا وقت صرف کیا۔" پس اگر مندروں کے گرجا بنانے میں ظلم کے ساتھ کسی قدر انسانیت بھی تھی تو ان مندروں کے ویران کرنے میں پوری پوری وحشیانہ حرکات نظر آتی ہیں کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ

عیسائیوں نے بت پرستی کے مندروں کو تباہ کیا اور بت پرستی کا مذہب مٹایا اور بت پرستوں کو ایذائیں پہنچائیں لیکن نیا مذہب بجبر منوانے کے لیے اونھوں نے بہت خونریزی نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی رومی عیسائی بادشاہ نے اپنی رعیت کے لیے کبھی یہ اعلان کیا کہ یا تو عیسائی مذہب قبول کرو اور یا موت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ چونکہ وہ بت پرست لوگ عیسائیوں کی رعیت تھے اور غلاموں کی طرح اون کے مطیع اور فرمانبردار تھے اس لیے اونہیں اپنے مالکوں کی بات ماننے کے لیے چنداں سختی کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ گبن نے لکھا ہے کہ "اگر اون بت پرست لوگوں میں بھی اپنے مذہب کے لیے اوسی جوش اور جرأت کی روح منفوذ ہوتی جو ان عیسائیوں کے دلوں میں بھری ہوئی تھی تو عیسوی مذہب کی یہ فتوحات خونریزی کے رنگ سے رنگین ہوتیں۔ اور جوپیٹر اور اپولو (رومیوں کے دیوتاؤں) کے شہیدوں کو اپنے معبودوں کے قدموں پر اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کرنیکا فخر حاصل کرنیکا موقع نصیب ہوتا۔ لیکن بت پرستوں کی بیقید اور غافل طبایع کے ساتھ ایسے جوش اور استقلال کو مناسبت نہیں تھی۔ متعصب عیسائی بادشاہوں کے سخت اور متواتر حملوں کے بالمقابل ایک ایسا نرم اور قبول کرنے والا مادہ تھا جس کی وجہ سے ان حملوں کا زور خود بخود ٹوٹ جاتا تھا۔ اور بیچارے بت پرست قانون تھیوڈوسیس کی سزاؤں اور دکھوں سے اسی طرح بچتے رہے کہ وہ ہر بات میں اطاعت اختیار کر لیتے اور ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔ بجائے اس کے کہ وہ یہ کہتے کہ ہمارے دیوتاؤں کا حکم شہنشاہ کے حکم سے بڑھکر قابل تسلیم ہے۔ وہ ایک دلسوز اور غم آلود بڑبڑاہٹ کے ساتھ اپنی شکایتوں کو اپنے آپ تک ہی محدود رکھکر اپنی اون پاک آبائی رسوم سے باز آجاتے جو اون کے بادشاہ انکو ترک کرنے کا حکم کرتے۔ اگر کسی وقت اون کے دلوں میں کچھ جوش بت پرستی کے لیے پیدا بھی ہوتا یا یہ خیال انکے دلوں میں آتا کہ شاید ان کے راز کا افشا نہ ہوگا اور اس بنا پر کبھی وہ اپنی توہم پرستی کی طرف رجوع کرتے۔ تو پھر نہایت عاجزی سے تائب ہو کر عیسائی مجسٹریٹوں کی درشتی کے پنجہ سے بچ جاتے۔ اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہوگا کہ جب کبھی انہوں نے بت پرستی کے رسوم کو ادا کرنے کی گستاخی کی ہو تو بعد میں اپنی اس گستاخی کا کفارہ اسطرح پر نہ دیا ہو کہ کراہیت اور نفرت کو دل میں چھپا کر ظاہر طور پر انجیل کے جوئے کو اپنی گردن پر قبول کر لیا ہو۔ ایسے نالایق نو مریدوں کے روز افزوں گروہوں سے گرجے پُر ہو رہے تھے جو محض نفسانی اور دنیاوی اغراض حاصل کرنے کے لیے اپنے بادشاہ کے مذہب کو اختیار کر رہے تھے۔ اون کی اصل حالت یہ تھی کہ ظاہراً جب وہ تمام حرکات مذہبی کو بڑے ذوق سے ادا کرتے نظر آتے اور عیسائیوں کی دعائیں پڑھتے تھے تو اوس وقت بھی دلوں کے اندر وہ سچے اخلاص کے ساتھ اپنے قدیم دیوتاؤں کے آگے دعائیں کرنے سے دلوں کو تسلّی دے لیتے تھے جہاں ان بت پرستوں میں مذہب کی خاطر تکالیف اٹھانے کے لیے صبر اور استقلال نہ تھا ساتھ ہی ان میں اپنے جابر حکام کا مقابلہ کرنیکی

روح اور جرأت نہ تھی۔ اور لاکھوں انسان جو اپنے مندروں کی بربادی کے شاکی تھے وہ بھی اپنے دشمنوں کے بغیر کسی مقابلہ کے مطیع ہو گئے۔ شام کے کسانوں اور سکندریہ کے عام لوگوں نے جو عام عیسائی مذہبی جوش کی مخالفت کا اظہار کیا۔ وہ صرف بادشاہ کے نام اور اس کی حکومت کے رعب سے فرد کر دیا گیا۔"

کوئی سمجھدار انسان اس عذر کو قبول نہیں کر سکتا کہ عیسائیوں نے جو یہ دست تطاول دراز کیا ہوا تھا اور بت پرستوں کو ناحق کی عقوبتوں اور ایذاؤں کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا ان سختیوں کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ انہیں توہم پرستی اور بت پرستی کی ناپاک رسموں سے سخت نفرت تھی بلکہ اون کی غرض تو صرف یہی تھی کہ عیسائی مذہب میں لوگ زیادہ داخل ہوں اور یہ غرض نہ تھی کہ بدی کی بیخکنی ہو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اُنہوں نے آپ ہی بت پرستی کی خرابیوں کو اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ مسئلہ تثلیث بت پرستوں سے ہی لیا گیا تھا علاوہ ازیں اُنہوں نے یہودیوں کو جو خدائے واحد کے پرستار تھے اس سے بھی زیادہ جوش و جنون سے ایذائیں پہنچائیں۔ اور اگرچہ بت پرستوں کو بپتسمہ نہ لینے کی صورت میں صریح طور پر سزائے قتل کا مستحق نہ قرار دیا گیا ہو۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا کو واحد ماننے والے یہودیوں پر محض اس لیے کہ انہوں نے یسوع مسیح کو ماننے سے انکار کیا نہایت سخت بے رحمی سے یہ مسئلہ عمل میں لایا گیا یعنی لاکھوں یہودیوں کو بغیر کسی اور قصور کے اور محض اس وجہ پر کہ انہوں نے عیسائی مذہب کو قبول نہ کیا طرح طرح کی ایذا رسانیوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ عیسائیوں نے جیسے خطرناک اور سخت مظالم یہودیوں پر کیے ہیں وہ ایسے ہیں کہ دنیا بھر کی بے رحمیوں کی تواریخ میں اون کی نظیر نہیں ملتی۔ جب سے عیسائیوں کو دنیاوی اقتدار اور سلطنت حاصل ہوئی او سوقت سے لے کر ایک عرصہ دراز تک اور بعض ممالک میں زمانہ حال تک ہر ایک عیسائی ملک میں ہر ایک عیسائی سلطنت کے ماتحت یہودیوں پر نہایت بیرحمانہ مظالم برابر کیے جاتے رہے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ چند سطروں میں ان وحشت انگیز مقدس عیسائی ظلموں کو بیان کیا جا سکے۔ چنانچہ اسی کی تائید میں پادری جارتن ؏ نے لکھا ہے کہ "اون یہودیوں کے درد انگیز حالات جن کے اموال و املاک تاخت و تاراج کر لیے گئے۔ اور اونہیں برہنہ کر کے ملک بدر کیا گیا اور فاقوں سے مارے گئے اور طرح طرح سے دُکھ دیے گئے۔ اور قید خانوں میں ہلاک کیے گئے۔ اور پھانسی دیے گئے۔ اور عیسائیوں کے ہاتھوں سے جلا کر راکھ کر دیے گئے اگر لکھے جائیں تو کئی جلدیں بھر جائینگی۔" (جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

؏ ان مظالم کے واقعات اور اقتباس کتاب کرائمز آف کرسچینٹی یعنی جرائم عیسائیت سے لیے گئے ہیں۔ جو عیسائی آزاد خیالوں کی ایک کتاب ہے۔ منہ

قسطنطین کا عیسائی ہونا یہودیوں کے سخت اور دراز عقوبتوں کے مصائب کے سلسلے کا پیش خیمہ تھا۔ لکھا ہے کہ جو یہودی یروشلم کی مرمت کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے قسطنطین نے اون کے کان کاٹ ڈالے۔ اور یوٹیکئس اسپر یہ زیادہ کرتا ہے کہ اس بادشاہ نے اون سب کو بپتسمہ لینے اور ایسٹر (عیسائیوں کی عید) کے موقع پر سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا۔ پھر اسی قسطنطین نے فلسطین کے علاقہ میں جتنے شہر یہودیوں کے تھے سب جلا دیے اور جو یہودی ملا اوسے قتل کرا دیا۔ نہ عورتوں پر رحم کیا اور نہ بچوں کو ہی چھوڑا۔ عیسائی سلطنت میں جیسے جیسے طاقت اور زور بڑھتا گیا ویسے ہی یہودیوں پر دکھوں کی صعوبت اور انکی ایذا رسانی زیادہ ہوتی گئی۔ گبن نے تحریر کیا ہے کہ منارکا میں "صرف سینٹ سٹیفن کے تبرکات نے آٹھ دن کے اندر اندر پانچسو چالیس (۵۴۰) یہودیوں کو عیسائی مذہب میں لانے کا کام دیا۔ ہاں ان تبرکات کے ساتھ کچھ مدد ایسی ایسی خوشگوار ایذا رسانیوں کی بھی تھی جیسے ان کے معبدوں کو جلا دینا اور جو کافر عیسائی مذہب کو قبول نہ کرتے تھے اور مقابلہ کرتے تھے انکو پہاڑوں میں بھگا کر بھوک سے مار ڈالنا۔ وغیرہ" سکندریہ میں یہودی شہر بدر کیے گئے۔ اون کے گھر لوٹ لیے گئے۔ اور اون کے معبد چھین کر گرجے بنائے گئے۔ جسٹینین اور بھی بڑھ گیا۔ گبن نے لکھا ہے کہ "جسٹینین کے اعتقاد میں غیر عیسائیوں کا مار دینا جرم قتل کی تعریف میں نہیں آتا تھا۔ اور وہ پاکدلی کے ساتھ عیسائی مذہب کی اشاعت تلوار اور آگ سے کرتا رہا" بشپوں نے بھی سخت ظالمانہ افعال سے یہودیوں کو عیسائی بنانے کی کوششیں کیں۔ ساتویں صدی کے شروع میں "نوے ہزار (۹۰۰۰۰) یہودیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ بپتسمہ حاصل کریں۔ جنہوں نے انکار کیا اون کے اموال ضبط کر لیے گئے۔ اور اونکو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں اور اس میں شک معلوم ہوتا ہے کہ آیا اونہیں اپنا وطن چھوڑنے کی اجازت بھی دی یا نہیں" (گبن)۔ سنہ ۶۳۳ء میں کونسل طالیدو نے یہ حکم نافذ کیا کہ یہودیوں کے تمام بچے اون کے والدین سے چھین لیے جائیں۔ اور اونکو عیسائی کنیسوں میں بھیجدیا جائے یا مذہبی لوگوں کے حوالہ کیے جائیں کہ وہ انہیں عیسائی دین کی تعلیم دیں۔ (دیکھو فلیوری کی تاریخ کلیسیا فصل ۸) اسی مجلس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ اگر کوئی نو عیسائی کسی یہودی سے باتیں کرتا ہوا پایا جائے تو اوسکو غلام سمجھا جائے اور جس یہودی سے باتیں کرے اوسکو پبلک کے سامنے کوڑے لگائے جائیں۔ سنہ ۶۹۴ء میں طالیدو کی چودھویں مجلس نے یہودیوں کے بچوں کو چھین لینے کا پھر حکم دیا۔ بعض حالات میں یہودیوں کے بچوں کو کنیسوں میں محبوس رکھنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ عیسوی مذہب میں نجات پاکر وہ ہمیشہ کی لعنت سے بچ جاویں۔

سنہ ۶۱۵ء میں ملک فرانس میں پیرس کی کونسل نے قانون نافذ کیا کہ کوئی یہودی کسی عیسائی پر

کوئی مقدمہ نہیں کر سکے گا کہ وہ بشپ سے بپتسمہ کا فضل نہ پالے۔ سنہ ۶۱۳ء میں کثیر التعداد یہودیوں کو مجبور ہو کر اوس ملک سے بدر ہونا پڑا کیونکہ یہ قانون بنایا گیا تھا کہ تمام لوگ جو یسوع مسیح پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس سلطنت سے باہر چلے جاویں۔

صلیبی جنگوں میں یہودیوں پر خاص طور سے خطرناک ظلموں کی بوچھاڑ ہوئی تھی چنانچہ گبن نے لکھا ہے "وردن۔ طریویز۔ منٹز۔ سپائرز۔ ورمس۔ میں ہزاروں بدنصیب یہودی لوٹ لیے گئے اور تہ تیغ کر دیے گئے یہ ایسی سخت مصایب کا زمانہ تھا کہ ہیڈرین کے حادثہ کے بعد یہودیوں نے کبھی ایسا خونریز صدمہ نہ دیکھا تھا۔ کچھ جو بچ گئے وہ بشپوں کی ہمت سے بچے کیونکہ اونہوں نے منافقانہ طور پر دین عیسوی قبول کر لیا تھا۔ لیکن جو یہودی اپنے مذہب پر اڑے تھے اُنہوں نے پورے مذہبی جوش سے عیسائیوں کے مذہبی جوش کا مقابلہ کیا۔ اور اپنے گھروں کو مضبوط طور پر محفوظ کر کے اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو دریاؤں میں پھینک دیا۔ اور آپ بھی دریاؤں میں کود کر اپنے دشمنوں کے عناد اور بغض یا اگر بطور تنزل کہا جائے تو اون کے لالچ کو مایوس کر دیا۔ جو کسی طرح سے ٹھنڈا ہوتے ہی نہ تھے"

اسی طرح ملمین نے لکھا ہے۔ "اس قوم (یہودیوں) کے خوفناک قتل جو جرمنی کے آباد شہروں اور دریائے رائن کے کناروں پر صلیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سے وقوع میں آتے رہے وہ بائبل کے بعید تر دشمنوں کو مطیع بنانے سے کم کار ثواب نہ سمجھے جاتے تھے" بیسینج کا بیان ہے کہ "ورمز میں یہودی لوگ بشپ کے محل میں پناہ گزین ہوئے وہیں اونہیں مجبور کیا گیا کہ دو باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کر لو خواہ دین عیسوی قبول کر و یا اپنے سر تلوار سے قلم کراؤ۔ بعض نے عیسائی دین قبول کر لیا۔ لیکن جنہوں نے قبول نہ کیا وہ خودکشی پر مجبور ہوئے۔ تریویز میں جب عیسائی غازیوں کو حملہ کی نیت سے اوس طرف آتے سنا تو یہودی ماؤں نے اپنی لڑکیوں کو گلے گھونٹ کر مار ڈالا" بویریا میں بارہ ہزار یہودی بے رحمی سے قتل کر دیے گئے۔ جہاں کہیں عیسائی مجاہد جاتے وہاں یہودی بیچاروں کی قسمت تلوار یا بپتسمہ ہی ہوتا۔ انگلستان میں بھی اونکو ایسی ہی بدنصیبیوں کا سامنا ہوتا رہا۔ اور وہ نہایت بیرحمی اور بیدردی سے قتل کیے گئے اور لوٹ لیے گئے۔ ہیکر لکھتا ہے کہ "ہر گروہ نے اسبات کی حلف اُٹھالی کہ آگ اور تلوار سے یہودیوں کی بیخکنی کر دیں گے اور اون کے محافظوں کے پنجوں سے اونہیں چھین لیں گے۔ ان محافظوں کی تعداد اتنی تھوڑی تھی کہ سارے ملک جرمنی میں بہت تھوڑی جگہیں ایسی شمار میں آسکتی تھیں جہاں وہ باغی شمار ہو کر قتل نہ کیے گئے ہوں یا جلائے نہ گئے ہوں۔ ۔ ۔ ۔ بسل میں یہودیوں کو جلانیکے لیے ایک چوبی مکان طیار کیا گیا اور جتنے یہودی وہاں تھے جن کی تعداد بہت بڑی تھی اوس مکان میں اکٹھے بلائے گئے اور صرف عام لوگوں کے شور مچانیکی وجہ سے بغیر تحقیقات اور کسی عدالت کے حکم کے اوس مکان کے

دروازے بند کر کے اوس کو آگ لگا دی گئی۔ اور سب کے سب یہودیوں کو وہیں جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی عدالتی تحقیقات بھی ہوتی تو انکو اوس سے بھی کوئی فایدہ نہ ہوتا"

اس سے تھوڑا عرصہ بعد فرے برگ میں ایسا ہی واقعہ ہوا اور پھر سپیرز میں یہودیوں سے ایسے ظلم کیے گئے کہ وہ جان سے تنگ آ گئے اور اپنے مکانوں میں داخل ہو کر انہیں آگ لگا دی اور خود اون میں اپنے بال بچوں سمیت جلکر کباب ہو گئے۔ چند آدمی جو اون میں سے بچ رہے انکو مجبوراً بپتسمہ دیا گیا۔ مُردوں کی لاشوں کو شراب کے خالی پیپوں میں بند کر کے دریائے رائین میں اس لیے پھینکدیا گیا کہ اون سے کہیں ہوا خراب نہ ہو جائے۔ ...... سٹراسبرگ میں یہودیوں کے قبرستان میں ایک بڑا تختہ بنا کر دو ہزار زندہ یہودیوں کو جلا دیا گیا۔ تھوڑے سے آدمیوں نے بپتسمہ لینے کا وعدہ کر لیا تو اونہیں اور اون کے بال بچوں کو اتار لیا گیا۔ بعض عورتوں کی جوانی اور حسن دیکھکر ترس غالب ہوا۔ اور انکی مرضی کے خلاف انکو موت سے بچا لیا گیا۔ بعضے جو زور سے بھاگ نکلے تھے انکا پیچھا کر کے بازاروں میں مار ڈالا گیا"

ملک ہسپانیہ میں فرڈیننڈ اور ازابیلا کی تخت نشینی کے موقع پر عیسائیوں نے یہودیوں اور مسلمانوں پر برابر ناگفتہ بہ ظلم کیے۔ ۳۰۔ مارچ ۱۴۹۲ء کو ان عیسائی بادشاہوں نے یہ اعلان کیا کہ تمام غیر عیسائی لوگ جنہوں نے بپتسمہ حاصل نہیں کیا اخیر جولائی تک اس سلطنت کی حدود سے باہر نکل جائیں۔ اس حکم میں یہ بھی لکھا تھا کہ کسی ایسے شخص کو چاندی یا سونا ساتھ لیجانیکی اجازت نہیں۔ انکی اس مصیبت کو لنڈو اسطرح بیان کرتا ہے۔ "ان خانمان برباد تباہ حال بدقسمت لوگوں کو جو مصیبتیں جھیلنی پڑیں وہ احاطہ بیان میں نہیں آسکتیں۔ بعض کشتیوں کو ہی آگ لگ گئی اور وہ بیچارے یا تو آگ میں بھونے گئے اور یا غرق ہو گئے۔ اور جو اس بلا سے بچے وہ چونکہ بہت کوٹ کوٹ کر لادے گئے تھے اس لیے وہ بھی ڈوب ہی مرے۔ اکثر وںکی برگشتگی قسمت نے کشتیوں کو توڑ کر...... اونہیں کسی بنجر کنارے پر جا ڈالا۔ جہاں بھوک اور پیاس نے ہی پیغام اجل سنا دیا۔ اور جو یہاں سے بھی جانبر ہو گئے اون کی زندگی اون کے لیے اور قسم کی تباہیوں اور مصیبتوں سے لبریز ثابت ہوئی۔ بعضے ناخداؤں نے شرارت کی وجہ سے عمداً بحری سفر کو لمبا کر دیا تاکہ اون بدبخت مظلوموں کا رہا سہا مال و اسباب پانی اور خوراک خریدنے پر صرف کرا کے اور نہیں تو اونہیں قلاش اور بے نوا ہی کر دیا جائے"

ان بے گھر اور بے در مفلوک الحال بدنصیبوں میں سے بعض ساحل جینوا پر جا لگے۔ وہاں بھی اونکی لیے بڑی تباہی طیار تھی۔ لیکن بعض بڑے رحم دل عیسائیوں نے وہاں انکے حال پر ترس کھا کر انکی مدد کی۔ اور وہ مدد بھی یہی تھی کہ اگر جان اور کھانیکا سامان چاہتے ہو تو صلیب پر ایمان لے آؤ ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔ ایسی حالتمیں

اب انکو سوائے تسلیم کے چارہ ہی کیا ہو سکتا تھا۔ ایسا ہی پرتگال میں ان مغضوب علیہم لوگوں کے لیے وہی سختیاں تقدیر میں لکھی تھیں۔ وہاں کے رئیس ڈان عمانوئیل کو فرڈی ننڈ اور ازابیلا نے اپنی لڑکی کا بیاہ اس شرط پر دیا کہ وہ مسلمانوں اور یہودیوں کو اپنے ملک سے نکال دیوے۔ چنانچہ ماہ دسمبر ۱۴۹۶ء میں حکم نافذ کیا گیا تھا کہ تمام یہودی جنہوں نے عیسائی دین قبول نہیں کیا وہ دو مہینے کے عرصہ میں ملک پرتگال کے حدود سے باہر چلے جاویں۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد پھر یہ حکم جاری کیا گیا کہ یہودیوں کے تمام بچے جو چودہ[14] سال سے کم عمر کے تھے والدین سے جبراً چھین لیے جائیں اور عیسوی دین میں اون کی تربیت کیجائے۔ ان پاکیزگی کے مدعی عیسائیوں نے اس وحشیانہ فرمان کی بڑی دلچسپی سے تعمیل کی۔ اور اس دردانگیز اور وحشت خیز نظارہ کو لنڈو اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ "آہ! وہ کیسا وحشت انگیز اور دردناک نظارہ تھا کہ جب اون بیکس اور بے بس اور مامتا کی ماری ماؤں کی گودوں اور چھاتیوں سے اونکے پیارے ننھے بچے سختی اور زور سے چھین لیے گئے۔ اور بیچارے مقہور و مظلوم باپ جو معصوموں کو شفقت پدری کی گودوں میں لیے ہوئے تھے اونہیں کھینچ گھسیٹ کر اون سے اونکے بچے لے لیے گئے۔ اُس وقت کے آہ و نالے اور فغاں اور ٹھنڈی سانسیں اور عورتوں کی چیخیں اور رونے کے نعرے جن سے کرۂ ہوا پُر ہو گیا تھا نہایت ہی دردانگیز تھے۔ ان ظلموں سے تنگ آکر بعض لوگوں پر ایسی حالت طاری ہو گئی تھی کہ انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے کوؤں میں پھینک کر ہلاک کر دینے کو بہتر سمجھا۔ بعض بیچارے جانوں سے ہی ایسے ہاتھ دھو بیٹھے کہ خودکشی کر لینا ہی اوس وقت پسند کیا" لیکن اونکی مصیبتیں ابھی یہیں تک ختم نہ ہوئیں۔ بلکہ "ایک اور تازہ قانون بنایا گیا کہ جن یہودی بچوں کی عمر چودہ اور بیس سال کے اندر ہو اونکو بھی جبراً والدین سے چھین کر بپتسمہ دیدیا جاوے۔ اس طرح بے شمار بچوں کو گروہ در گروہ بالوں اور بازوؤں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے گرجوں میں لاتے اور جبر اور سختی سے بپتسمہ کا پانی اور نئے نام قبول کراتے۔ اور یہ بچے کیتھلک سلسلہ کے معلموں کے حوالے کر دیے جاتے۔ پھر انکے والدین بھی گرفتار کر کے اونکو یہ طمع دیجاتی کہ اگر تم عیسائی دین قبول کر لو تو تمہیں تمہاری اولاد دیدی جاوے گی۔ خدانخواستہ اگر اون میں سے کوئی انکار کر بیٹھتا تو تین دن متواتر بے آب و دانہ زندان میں محبوس رکھے جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسے شیطانی اور وحشت انگیز قانون کے برخلاف کوئی فانی انسان استقلال دکھا سکے۔ لیکن یہودی لوگ باوجود ان تمام ایذاؤں کے متزلزل نہ ہوئے جو قوم یہود کے لیے باعث فخر امر ہے۔ مگر اونکے استقلال دکھانے پر اونکو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا چنانچہ آخر کار یہ حکم جاری کیا گیا کہ جس طرح نوجوان بچوں کو بجبر بپتسمہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح باقی لوگوں کو بھی دیا جاوے۔ چنانچہ ہر طبقہ کے مرد اور عورتیں کیا جوان اور کیا بوڑھے کشاں کشاں گرجوں میں لائے گئے اور وہاں انکو زندگی کا بپتسمہ دیا گیا۔ اور عیسائیوں کے ہجوم فرط جوش میں تماشا دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور قہقہے لگاتے تھے" (ملکتا)

عیسوی دین نے اپنی اشاعت کے لیے جس جس طرح خلق خدا کا خون بہایا اوس کی بہت تھوڑی مثالیں اسجگہ لکھی گئی ہیں۔ جسطرح اس دین کی ترقی کے لیے اون مشہور خونریز افعال کا شارلیمن مرتکب ہوا جس نے مذہب کو بزور شمشیر پھیلایا۔ اور جسطرح بیگناہ مسلمانوں کو ٹھنڈی چھری سے ملک ہسپانیہ میں ذبح کیا گیا یہ دو اور قابل ذکر نمونے ہیں جن سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ مذہب پھیلانے کے لیے مدت دراز تک جبر اور عقوبت کے اصول پر یہ دین قایم رہا۔ اس میں کلام نہیں کہ ان اصول کی حمایت اور پاسداری وہی لوگ کرتے تھے جو مذہبی عہدہ دار ہوتے تھے۔ اونہیں ان ناہنجار اصول کے ساتھ کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جہاں کہیں کبھی کسی بادشاہ کے دل میں مظلوموں کی رحم انگیز آہ و فریاد پر ترس بھی آتا اور اون کی التجاؤں کو رحم کی وجہ سے منظور کرنیکی طرف وہ رغبت بھی کرتا تو یہ پادری صاحبان اپنے رسوخ اور دباؤ سے اونکو اس انسانی طریق سے باز رکھتے۔ لکھا ہے کہ جب فرڈی ننڈ اور اذابیلا کا یہ حکم شایع ہوا کہ جو کوئی یہودی تثلیث اور صلیب کے مذہب پر ایمان نہیں لاوے گا وہ حدود ہسپانیہ سے باہر نکل جاوے تو اوس وقت ایک بڑا باحیثیت اور رسوخ والا یہودی بادشاہ کے حضور میں پہنچکر اوسکے پاؤں پر گر پڑا اور اس حکم کو منسوخ کرنیکے عوض میں بہت بڑی رقم پیشکش کرنیکی درخواست کی۔ اسپر بادشاہ اور اوس کی رانی کا دل پگھل آیا اور وہ اس درخواست کے قبول کرنے پر کچھ آمادہ بھی ہوگئے۔ لیکن پادری صاحبان نجیلی تعلیم کے مطابق ہمیشہ سے دشمنوں سے ایسی محبت کرتے چلے آتے ہیں کہ وہ اس بات کو گوارا ہی نہیں کر سکتے تھے کہ عیسائی حکومت میں وہ لوگ زندہ رہنے پائیں۔

ملمین لکھتا ہے کہ ”محکمہ انکویزیشن کے افسر یہودی کی اس درخواست پر ڈر گئے (کہ مبادا بادشاہ لالچ میں آکر یہ منظور کر لے) بادشاہ اور اسکی ملکہ کا دل انسانیت کے خیالات اور انصاف کے برخلاف لوہے کی طرح سخت بنا دیا گیا تھا مگر اندیشہ یہ تھا کہ رقم کے پیش کرنے سے جو مفاد نظر آتا تھا وہ اپنا اثر نہ کر جائے۔ اسی وقت طامس یسوع مسیح کا ایک بت جو صلیب پر لگا ہوا تھا لیکر بادشاہ کے آگے بڑھا اور بت کی طرف اشارہ کر کے یہ عرض کیا کہ یہ وہ ہے جسے یہودا نے تیس درم نقرئی کے عوض بیچ ڈالا تھا۔ اب اگر آپ اوسے بہت بھاری معاوضہ پر بیچدیں گے تو خدا کے سامنے اس بات کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ سنگدل پادری کی اس بات سے بادشاہ کانپ اُٹھے اور بیچارے یہودیوں کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ یا تو عیسائی دین قبول کریں اور یا ملک چھوڑ بھاگیں“

یہ ہے عیسائی دین کے مذہبی جنگوں کا کچا چٹھا اور یہ نہ صرف عیسائی بادشاہوں کی بلکہ زیادہ تر اون لوگوں کی کرتوتیں ہیں جن کو روح القدس نے یسوع مسیح کی خوشخبری اور اسکا دین پھیلانے کے لیے الہام کیے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ جب ہر ایک عیسائی آنکھیں بند کر کے اندھا دھند لوگوں کو جبراً عیسائی بنانیکے کام میں

لگا ہوا تھا تو ان سخت ظالمانہ اور وحشیانہ فعلوں کو دیکھکر ایک بھی آواز نہ دیتا کہ یہ اشاعت دین عیسوی نہیں بلکہ سراسر ظلم اور ناحق کی خونریزی ہے۔ سیکڑوں برسوں تک ساری عیسائی دنیا مذہب پھیلانے کے لیے اس قسم کی ناگفتہ بہ ظالمانہ کاروائیوں کو اپنے مذہب کا ایک نہایت ضروری مسئلہ سمجھتی رہی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہ تیرہ و تار جابرانہ اور بیرحمانہ اذیتیں شاذ و نادر ہوتیں یا ان کے مرتکب کبھی کوئی ظالم مزاج سفاک طبع بادشاہ ہی کہیں کہیں ہوتے۔ اور عام طور پر عیسائی اور اون کے پیشوا پادری لوگ اپنی مساعی کو ان شیطانی افعال کے انسداد کرنے اور بے گناہوں کی جانوں کو ناحق کے خون سے بچانے میں لگاتے تو اوس حال میں عیسائی مذہب جن الزاموں کا مرتکب ثابت ہے اوسے کسی حد تک بری رکھا جا سکتا تھا لیکن جن حالات اور واقعات کے نیچے یہ درد انگیز اور خطرناک ظلم کیے گئے۔ اون سے ان سیاہ کاریوں کی تصویر اور بھی تاریک ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ظلم اُن لوگوں پر کیے گئے اور یہ ایذائیں اُن بندگان خدا کو پہنچائی گئیں جو یہ نہیں کہ بطور حریف میدان مقابلہ میں کھڑے تھے بلکہ بحیثیت رعایا انکے ظل حکومت میں بستے تھے اور انہی عیسائیوں کو اپنا ملجا اور ماوا سمجھتے تھے۔ کسقدر درد انگیز نظارہ ہے کہ انہوں نے اپنی ہی بیکس رعایا پر زور بازو دکھایا جو مقابلہ کرنا ہی نہ چاہتی تھی اور اگر چاہتے تو کر ہی نہ سکتے تھے۔ پس یہ خونریزی کی ایک نہایت ہی خطرناک تصویر ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

عیسائیوں کے مذہبی جنگوں کا مختصر الفاظ میں ذکر کرنے اور اون کے اپنے ہی گواہوں کی شہادتیں پیش کرنے کے بعد اب مَیں اسلامی غزوات کا کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جن کے بارے میں پادری صاحبان نے شور مچا رکھا ہے جن پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ وہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو نہیں دیکھتے پر دوسرے کی آنکھ کا تنکا اونکو نظر آجاتا ہے۔ پہلے اس بات کا بیان تو ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے جابر اور طاقتور دشمنوں سے محض اونکے اسلام قبول کرنے پر اونہیں ایسی ایسی اذیتیں پہنچائیں کہ جن سے بڑھکر کوئی عقوبت نہیں ہو سکتی تھی اور اسطرح مظلوم مسلمانوں کو مجبور ہو کر آخر تلوار ہاتھ میں لے کر اپنی جانوں کو بچانا پڑا۔ جو دُکھ اور مصیبتیں مسلمانوں کو دشمنوں نے پہنچائیں اور جس جس طرح اونکی ذلت کی اوسکی نظیر ان مصایب میں بھی نہیں ملتی جو عیسائیوں کے ہاتھ سے یہودیوں کو پہنچیں۔ مسلمانوں کی تعداد ابھی تھوڑی ہی تھی لیکن کم بخت دشمنوں نے اونہیں سخت دُکھ اور ذلتیں پہنچائیں اور ہر روز زیادہ تکلیفیں دینے پر تُلے رہے۔ یہ حال دیکھکر اکثروں نے اپنے وطن مالوف اور گھر بار کو چھوڑ پردیس میں جا ٹھکانہ کیا۔ دو دفعہ تو حبش کے ملک کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ قریش نے وہاں بھی اونکا تعاقب کیا لیکن ناکام لوٹے۔ ان ظالموں کے ظلم اتنے بڑھ گئے کہ آخر خود آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے مسلمانوں کو بھاگ کر مدینہ میں پناہ لینی پڑی۔

قریش کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ وہ عرب میں اسلام کی اشاعت ہوتی نہ دیکھ سکتے اور نہ سن سکتے تھے جب حبش تک اونہوں نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا تو مدینہ میں کیوں امن سے بیٹھنے دیتے۔ بلکہ اب تو انہوں نے اپنی طاقتوں کو جمع کر کے یہی ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر کے اونکو یکبارگی تباہ کر دیا جائے اور اسلام کی بیخ ہی اکھاڑ دیجائے۔ مسلمانوں کی مصیبتوں اور دکھوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب اونہیں ان سفاک ظالم حملہ آوروں کے ہاتھ سے اپنا آپ لڑکر بچانے کی اجازت ہوئی کیونکہ کفار سوائے اس کے راضی نہ ہوتے تھے کہ مسلمان دین اسلام سے مرتد ہو کر اون کے دین میں ہی شامل رہیں۔ اس امر کے متعلق قرآن مجید سے بہت شہادت ملتی ہے جس کے معتبر اور صحیح ہونے پر کوئی سوال نہیں ہو سکتا۔ اس شہادت میں سے بعض تو گذشتہ اشاعت میں ذکر کر دیگئی تھی لیکن اس جگہ بھی چند آیات لکھدی جاتی ہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۴ اس طرح پر ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا جسکا ترجمہ یہ ہے۔ اور (یہ کفار) سدا تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہانتک کہ انکا بس چلے تو تمھیں تمھارے دین (اسلام) سے برگشتہ کر دیں۔ اس آیت سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہو رہی ہے کہ کفار نے مسلمانوں کو ستانے اور گزند و اذیت پہنچانے اور اونکو اسلام چھوڑا کر بت پرستی کی طرف رجوع کرانیکے ارادہ سے تلوار اُٹھائی تھی دشمنوں کی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی لیکن آسمانی تائیدوں سے انہوں نے کئی میدانوں میں دشمنوں کی کثیر التعداد افواج کو پس پا کیا۔ اسپر قریش کا غضب زیادہ زیادہ بھڑکتا گیا۔ اور اب وہ اس بات پر تُل پڑے کہ سب کے سب مسلمانوں کو تلوار سے صاف کر دیا جائے۔ بعض مسلمانوں کو اپنی قلت تعداد دیکھکر کچھ خوف بھی تھا اور اسی بات کا آیت مذکورہ سے پہلی آیت میں مذکور ہے۔ جس میں لکھا ہے کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم واللہ یعلم انتم لا تعلمون۔ یعنی تمھارے لیے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا اور تمکو ناگوار بھی گذرے گا۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تمکو بُری لگے اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو اور عجیب نہیں کہ ایک چیز تمکو بھلی لگے اور وہ تمھارے حق میں بُری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اسی طرح مسلمانوں کو جنگ کرنے کے لیے جو ضرورت پیش آئی اوسکا ذکر اس آیت میں بھی ہے یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ۔ یعنی (اسے پیغمبر مسلمان تم سے) ادب والے مہینوں کی نسبت یعنی اونمیں لڑائی کرنیکی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) تو (انکو) سمجھادو کہ ادب والے مہینوں میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا کو (جیساکہ اوسکی ماننے کا حق ہے)

نہ ماننا اور ادب والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) نہ جانے دینا۔ اور (ان لوگوں کو جو) اُس (مسجد میں رہتے اور اس میں عبادت کرنے) کے اہل (ہیں یعنی مسلمانوں) کو اس میں سے نکال دینا (کہ خانہ خدا میں خدا کی عبادت نہ کر سکیں) اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑھکر (گناہ) ہے"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے محض مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرایض اور خدا کی راہ سے روکنے کے لیے ہی تلوار اُٹھائی۔ اور مسلمانوں کو اپنے حقوق اور جانوں کی حفاظت کے لیے جنگ سے ہی جواب دینا ضروری ہوا۔ ایک عقلمند اور سمجھدار انسان اس بات کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ جو صورت پیش آگئی تھی اس میں اس طرح جنگ کے لیے حکم دینا نہ صرف جائز اور برحق بلکہ نہایت ضروری ہوگیا تھا۔ مسلمانوں نے اس لیے تلوار نہیں اُٹھائی کہ کافروں کو جبراً مسلمان بنائیں جیساکہ پادری صاحبان کے اجداد کے کارناموں سے ظاہر ہے۔ اور نکا لڑنا تو صرف اس لیے تھا کہ وہ اپنے آپ کو اسلام چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنیکی لعنت سے بچائیں۔

قرآن شریف میں بہت ... سی ایسی آیات ہیں کہ جن سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ کفار ہمہ تن ہو کر اسی بات کے لیے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح مسلمان لوگ اسلام کو چھوڑ دیں اور بت پرست بن جائیں۔ اور اسی غرض کے لیے وہ اُنہیں طرح طرح سے ستاتے اور شرمناک اذیتوں سے اپنے نامۂ اعمال سیاہ کرتے۔ جیسے سورۃ النساء رکوع ۱۲ میں۔ ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً ہے جسکا ترجمہ یہ ہے۔ "انکی خواہش ہے کہ جسطرح خود کافر ہیں اوسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو (اور وہ) اور تم (سب) ایک ہی طرح کے ہو جاؤ"۔ پھر سورہ ممتحنہ کی دوسری آیت ہے ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداءً ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء وودوا لو تکفرون۔ ترجمہ (یہ کافر) اگر کہیں (تم پر قابو پا جائیں تو کھُلم کھُلا تمھارے دشمن ہو جائیں۔ اور ہاتھ اور زبان دونوں سے تمھارے ساتھ بُرائی کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور اُن کی اصلی تمنا یہ ہے کہ کاش تم (بھی ان ہی کی طرح) کافر ہو جاؤ۔ ایسا ہی آیت مندرجہ سورۃ النساء رکوع ۱۲ میں ہے۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ ترجمہ۔ اور (مسلمانو!) تمکو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اون بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے (دشمنوں سے) نہیں لڑتے (جو عاجز آکر خدا سے) دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو اس بستی (یعنی مکہ) سے کہیں نجات دے جہاں کے رہنے والے (ہم پر) ظلم کر رہے ہیں۔ اور (خود ہی) اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور (خود ہی) اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

ایسے ہی سورۃ النساء کی ذیل کی آیات پر بھی غور کرو کہ کتنے لوگ جو اسلام کی صداقت کو دل سے مانتے تھے کفر کی حالت میں رہنے کے لیے مجبور کیے گئے۔ ان الذین توفّٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم۔ قالوا کنا مستضعفین فی الارض ط قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا۔ ترجمہ۔ جو لوگ (مشرکین میں پڑے رہنے اور اپنے دین کی خرابی سے) اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں فرشتے اونکی جان قبض کیے پیچھے اونسے پوچھتے ہیں کہ تم کس حالت میں سے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو وہاں بے بس تھے (اس پر فرشتے اون سے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی (اتنی لمبی چوڑی) زمین (اسقدر) گنجایش نہیں رکھتی تھی کہ تم اوس میں (کسی طرف کو) ہجرت کر کے چلے جاتے۔

الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا۔ ترجمہ۔ مگر (ہاں) جو مرد اور عورتیں اور بچے اسقدر بے بس ہیں کہ اونسے کوئی حیلہ کرتے نہیں بن پڑتا اور نہ اُنکو (باہر نکل جانے کا) کوئی راستہ سوجھ پڑتا ہے۔

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا و سعۃ۔ ترجمہ اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی خدا کے لیے) اپنا وطن چھوڑ دے گا تو (روئے) زمین میں اسس کو (رہنے سہنے کے لیے) وافر جگہ اور (ہر طرح کی) گنجایش ملے گی۔

ان مندرجہ بالا آیات پر غور کرنے سے ناظرین کو اچھی طرح سمجھ آجائیگا کہ مسلمانوں کو کن حالات کے ماتحت جنگ کے لیے ہاتھ اُٹھانا پڑا۔ اسلام کے دینی جنگوں اور مسیحی مذہبی جنگوں کی طرف جب غور کیجاتی ہے تو صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان دونوں کے محرکات اور اغراض بالکل ایک دوسرے کے برعکس تھے۔

مسیح کے پرستاروں نے تو اس لیے تلوار اُٹھائی کہ بے بس اور ضعیف بت پرستوں اور یہودیونکو بزور اپنے مذہب میں شامل کریں۔ اور برخلاف اس کے مسلمانوں نے صرف اسلیے شمشیر کو میان سے نکالا جبکہ اونہوں نے دیکھ لیا کہ اب دین اسلام میں ہمارا رہنا بغیر اس کے محال اور ناممکن ہے۔ ایسا ہی مسیحی لوگوں نے اوسوقت لڑائی کرنا اختیار کیا جب وہ سلطنتِ دنیا حاصل کر چکے تھے۔ اور مسلمانوں کو ابتدائی ضعف اور بے بسی کیحالت میں زبردست اور خونخوار دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ ایسے صریح امور ہیں کہ کوئی پادری صاحب ان سے انکار نہیں کر سکتے اور انکو مانکر اعتراض اسلام پر نہیں رہتا بلکہ عیسائیت پر جا پڑتا ہے۔ اس کے ماسوا قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ مسلمانوں کو صرف اوس وقت تک لڑنیکی اجازت ہے کہ جب تک کفار کا فتنہ جاری رہے۔ اور جب اونکی شرارتیں ختم ہو جائیں تو پھر

جنگ کا حکم موقوف۔ چنانچہ قرآن شریف کی آیت ذیل پر غور کرو۔ وقاتلوھم حتّٰی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظٰلمین ۔ترجمہ۔ اور وہاں تک اون سے لڑو کہ (ملک میں) فساد (باقی) نہ رہے اور دین کا اختیار کرنا خدا کے لیے ہو جائے پھر اگر کافر (فساد سے) باز آجائیں تو (تم بھی لڑنا چھوڑ دو) عداوت ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ چونکہ اس آیت شریف کے الفاظ کے غلط معنے بیان کرکے مخالفین نادان لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جگہ اس آیت کے معنے ذرا کھولکر بیان کر دیں + لفظ فتنۃٌ جو اس آیت میں آیا ہے اس کے اصلی معنے آگ سے جلانے کے ہیں۔ اسلیے اصطلاحی طور پر مصیبت ابتلا یا خانہ جنگی یا قتل یا دینِ حق سے برگشتہ کرنے کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس آیت میں اس کے یہ آخری معنے ہی مراد ہیں یعنی دین حق سے برگشتہ کرنا۔ چنانچہ راڈول جس نے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کیا ہوا ہے۔ اوس نے بھی اسجگہ دینِ حق سے برگشتہ کرنیکے معنے کیے ہیں۔ اور اوسی صفحہ پر حاشیہ میں دوسرے معنے خانہ جنگی بیان کیے ہیں۔ اور اس لفظ کی دوسری تشریح یوں کی ہے کہ فتنہ سے مراد خانہ جنگی ہے یعنی کفار کا مسلمانوں کو مکہ سے نکالنا۔ ان مترادف معنوں میں کوئی سا ایک اختیار کیا جائے اسلیے اس آیت کے معنے یہی قرار پاتے ہیں کہ مسلمانوں کو اُسوقت تک کفار سے جنگ کرنیکی اجازت ہے جب تک کفار اون کے اسلام قبول کرنیکی وجہ سے اونکو ستاتے اور دُکھ دیتے رہیں اصل میں عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہی معنے صحیح ہیں۔ لیکن جملہ ویکون الدین للہ کے متعلق اس سے بھی زیادہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ اسکے عام طور پر لوگ یہ معنے کرکے دھوکہ میں آجایا کرتے ہیں..."کہ" اوپر ستش خدا کی ہو" یا "خدا کا دین (اسلام) ہی دنیا پر جاری ہو"۔ یہ دونوں معنے اصل منشائے قرآن شریف اور سیاق وسباق کے مخالف ہیں۔ کیونکہ اسی آیت کے ان الفاظ کی ان سے تردید ہوتی ہے جن میں لکھا ہے کہ "جب وہ فساد سے باز آجائیں تو اونسے کوئی عداوت نہ رکھی جاوے۔ کیونکہ دشمنی صرف ظالموں سے رکھنی ہی جائز ہے"۔ اب اگر اسکا مطلب یہی ہوتا کہ مسلمانوں کو اوسوقت تک لڑائی نہیں چھوڑنی چاہیئے جب تک کہ تمام کفار اسلام میں داخل نہ ہو جاویں۔ تو الفاظ فان انتھوا یعنی "اگر وہ فساد سے باز آجائیں" غیر ضروری اور باطل ٹھہرتے ہیں۔ اور انکو یہاں لانیکی ضرورت نہ تھی۔ اس آیت میں بھی مسلمانوں کو اس حکم کا صاف طور پر پابند کر دیا گیا ہے کہ جب کفار اونپر ظلم کرنا اور اونہیں دُکھ دینا چھوڑ دیں تو تمام عداوتوں کو مسلمان ترک کر دیں۔ اسلیے جملہ یکون الدین للہ کے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ صرف اسلام ہی تمام دنیا کا مذہب ہو جانا چاہیئے۔ جب اس آیت کا ماقبل اور مابعد دیکھا جاتا ہے اور اس کے صحیح معنوں کی طرف توجہ کیجاتی ہے تو یہ بات صاف عیاں ہوتی ہے کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے اور فرائض وشعائر دینی اسلام کے ادا کرنے میں کوئی دقّت اور رکاوٹ نہ ہے اس لیے قرآن شریف بھی تاکید فرماتا ہے۔ کہ جنگ صرف اوسوقت تک ہی جاری رہے جسوقت تک مسلمانوں کے

دشمن انکو دکھ دیتے رہیں۔ اور جب ان کے مظالم سے کامل آزادی قایم ہو جائے تو پھر دینی جہاد جاری رکھنے کے لیے کوئی جائز اور شرعی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لہذا قطعی دلایل سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمانوں نے سوائے اس ایک بنیاد کے کہ کفار کے ظلموں سے اپنے آپ کو بچایا جاوے اور مذہبی آزادی قایم کیجاوے دینی جہاد نہیں کیا۔

اس آیت کے جو معنے ہم نے کیے ہیں وہ از خود تراشیدہ نہیں بلکہ صحیح لغت اور سیاق وسباق کی بنا پر کیے گئے ہیں۔ اور تواریخ اسلام ہمارے معنوں کی زور سے تائید کرتی ہے۔ یہ کیسی ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن کریم میں یہ حکم ہوتا کہ اسوقت تک جنگ جاری رکھا جائے جبتک کہ کفار مسلمان نہ ہو جائیں تو اس منشاء کو پورا کرنے کے لیے سب سے پہلے خود آنحضرت سرور کائنات صلعم ہتھیار اُٹھاتے۔ اب یہ مسلم بات ہے کہ یہ آیتیں ابتدائی اسلامی جنگوں کے متعلق نازل ہوئیں اختلاف صرف اتنا ہی ہے۔ کہ آیا یہ جنگ بدر کے متعلق ہیں یا جنگ اُحد کے متعلق۔ لیکن ان دونوں جنگوں کے بعد کہیں اس بات کا پتہ نہیں ملتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کہیں کفار پر ابتدائی حملہ کیا ہو جہانتک تاریخ کو تحقیق کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمان صرف کفار کے حملوں سے اپنے بچاؤ کیلیے جنگ کرتے رہے مثلاً مشہور ومعروف جنگ احزاب ہی لے لو جس میں عرب کے بت پرستوں کے خطرناک اور زبردست حملے سے بچنے کے لیے یہی ایک ذریعہ سمجھا گیا۔ کہ شہر مدینہ کے گرد خندق کھودی جائے۔ چنانچہ اسی لحاظ سے اس لڑائی کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں۔ اسکے بعد جب اس آیت کے نازل ہوئے کئی سال گذر چکے تھے۔ اور جنگ اُحد کو بھی دو سال گذر چکے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ سو[۱۶۰۰] اصحاب کی جماعت کے ساتھ حج کرنے کے ارادہ سے مکہ معظمہ کیطرف روانہ ہوئے۔ یہ حرمت کے مہینے تھے۔ اور عربوں میں قدیم الایام سے یہ رسم چلی آتی تھی۔ کہ ان مہینوں میں تمام عداوتیں چھوڑ دیجاتیں اور جنگ معطل کر دیے جاتے اور اس رسم کی تمام اہل عرب میں اتنی عزت وحرمت تھی کہ کسی کو اس کے توڑنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن مسلمانوں کو ستانے کے لیے قریش نے اپنے اس آبائی طریق کی بھی عزت چھوڑ دی اور جونہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں پہنچے قریش نے انہیں آگے بڑھنے سے روکدیا اور مکہ معظمہ کی زیارت کرنیسے مانع ہوئے اس موقع پر ایک عارضی صلح نامہ فریقین کے درمیان اس غرض کے لیے تحریر ہوا۔ کہ کچھ سالوں کے لیے دونوں فریق تمام عداوتیں چھوڑ دیں گے۔ یہ عارضی صلح قرآن شریف کے اس حکم کے ماتحت کی گئی جو آیت زیر بحث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو صرف یہی حکم ہے۔ کہ وہ کفار کے ساتھ اسی حالت میں لڑائی کریں۔ جبتک وہ ان سے جنگ کرتے رہیں۔ اور اذیتیں پہنچاتے رہیں۔ لیکن یہاں جب انہوں نے عداوتوں کے چھوڑنے اور مسلمانوں کو دکھ دینے سے باز رہنے کا وعدہ کر لیا تو مسلمان بھی اسوقت تک ان سے لڑائی معطل کرنے کے لیے پابند ہو گئے اگر آیت زیر بحث کے معنے یہ کیے جاویں کہ آنحضرت کو اور مسلمانوں کو اسوقت تک جنگ کرنی چاہیئے۔ جبتک دین اسلام تمام دنیا میں پھیل جائے اور ایک بھی کافر باقی نہ رہے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ کفار سے

لڑائی جاری رکھی جاتی پس صلح حدیبیہ اُس حکم الٰہی کے منشاء کے برخلاف ہوتی - جسکا منشاء یہ تھا کہ جب تک سارا عرب یا ساری دنیا مسلمان نہ ہو جائے اُسوقت تک لڑائی کو روکا نہ جائے - ان تمام حالات سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس آیت سے کبھی وہ معنے خیال نہیں کیے - جو نکتہ چین اور حرف گیر دشمن الفاظ کو مروڑ کر کرنا چاہتے ہیں - پس اس آیت کے صرف یہی معنے ہیں کہ مسلمان صرف اُسوقت تک جنگ جاری رکھیں - جبتک کہ کفار کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھانے سے محفوظ ہو جائیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے جنگ پہلے زمانہ کے جنگوں سے کسی حال میں مختلف نہیں - اور آپنے کبھی ایک بھی ایسا جنگ نہیں کیا کہ جس میں کسی قوم یا قبیلہ پر اسلام قبول کرانے کیلیے جبر کیا گیا ہو - نکتہ چین دشمنوں نے اسلام کے برخلاف یہ بھی شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ جنگ کے متعلقہ پہلے قرآنی احکام کو پچھلے احکام سے مختلف بیان کرتے ہیں - اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدائی جنگ صرف دفاعی تھے اور ایسے ہی احکام انکے متعلق ہیں - لیکن پچھلے احکام جو جنگوں کے لیے نازل ہوئے - انمیں کفار کو جبراً اسلام قبول کرانے کے اصول درج ہیں - لیکن اگر واقعہ میں ایسا اختلاف پہلے اور پچھلے احکام قرآنی میں موجود ہوتا تو اسی قسم کا اختلاف آنحضرت صلعم کے ابتدائی اور آخری جنگوں کے موقعوں پر عملی طور پر بھی ثابت ہوتا - کیونکہ اس میں ذرہ بھی شک نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ ان احکام کی پورے طور پر تعمیل کرتے - بلکہ قرآن کریم سے تو یہ پتہ ملتا ہے کہ کفار کے ساتھ لڑنے کے لیے صرف آپکی ذات مبارک ہی حکماً مجبور تھی - جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت (۸۶) فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المؤمنین عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا سے ظاہر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے (اے پیغمبر) تم اللہ کی راہ میں (دشمنوں سے) لڑو - نہیں حکم کیا گیا مگر تیری ذات کو - اور (ہاں) مسلمانوں کو (بھی لڑائی کے لیے) اُبھارو - قریب ہے کہ اللہ کافروں کے مقابلہ کو روک دے" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ کے لیے جتنے احکام تھے ان سب کے سب سے پہلے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے - اور اگر آپکی پہلی اور پچھلی لڑائیوں میں ہم کوئی ایسا فرق بیان نہ کر سکیں جس سے معلوم ہو کہ ایک دفاعی تھے اور دوسرے بجبر مسلمان کرنے کے لیے تو اس کا نتیجہ بلا تامل یہی ہوگا کہ ابتدائی احکام کی طرح دوسرے احکام جنگ بھی صرف مسلمانوں کی حفاظت اور کفار کی اذیتیں روکنے کے لیے تھے - اب اس بات کا فیصلہ کرنیکے لیے کہ آنحضرت صلعم کے جنگوں میں کوئی ایسا فرق واقعی موجود نہ تھا - ہم اسجگہ آپکے آخری جنگ کی کچھ کیفیت لکھ دیتے ہیں - جو ہجرت کے نویں سال میں واقع ہوا اس جنگ کا نام جنگ تبوک ہے اور سورۂ توبہ کا بہت بڑا حصہ خصوصاً ۳۸ آیت سے لیکر اخیر سورۃ تک ساری سورۃ اسی جنگ کے بیان سے بھری پڑی ہے یہی وہ غزوہ ہے کہ جس میں اُن لوگوں کو جو کفار کے برخلاف جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے نہیں پہنچے تھے منافق کہا گیا ہے اور جن کے برخلاف آنحضرت صلعم کو

حکم تھا کہ یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنفقین و اغلظ علیھم یعنی اے پیغمبر کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ اور جیسا کہ پچھلے مضمون میں ذکر آچکا ہے۔ چونکہ یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے آخری غزوہ تھا اس لیے اگر کوئی جنگ بجبر مسلمان کرنیکے لیے کیا گیا ہو تو ضرور ہے کہ یہ جنگ اس غرض سے کیا گیا ہو اس لیے ہمیں یہ بات دیکھنی ضروری ہے کہ آیا اس غزوہ سے کسی قوم کو بجبر مسلمان بنانا مقصود تھا اور یا کسی دشمن کے حملہ سے بچنے کے لیے اس جنگ کی تیاری کی گئی تھی۔ ہم اس بات کے ثبوت کے لیے اپنے ناظرین کو تواریخی کتب سے لمبی لمبی عبارتیں نقل کر کے تھکانا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ذیل کے دو نوٹ جو میور نے اپنی تصنیف کے حاشیوں پر لکھے ہیں کافی طور پر تسلی کر دیتے ہیں۔ جن میں سے ایک کا عنوان "رومی باجگذاروں کا شام کی سرحد پر جمع ہونا" اور دوسرے کا عنوان "محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مقابلہ کے لیے مہم کی تجویز کرتے ہیں۔ موسم بہار ہجری سنہ ۹ " ہے یہی غزوۂ تبوک تھا۔

غرض اسی طرح صاف ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی جنگ کسی قوم کو بجبر اسلام میں داخل کرنیکے لیے نہیں کیا۔ ہاں سورۃ توبہ میں یہ وارد ہے فان تابوا و اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین۔ ترجمہ۔ پھر (اے مسلمانو!) "اگر یہ لوگ (کفر و شرک سے) توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں" ایسے لوگوں کو چھیڑنا نہیں۔ یہی وہ آیت ہے کہ جس سے مخالف لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہر ایک کافر کو جو اسلام پر ایمان نہیں لاتا قتل کر دیا جائے۔ ناظرین خود ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ اس آیت کا ایسا نتیجہ کیسے خلاف وضع اور سیاق ہے۔ لیکن چونکہ کوتہ اندیش دشمنان اسلام ان الفاظ کے غلط معنے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان آیات کو ذرا تفصیل سے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ اور اس غرض کے لیے سورۃ توبہ کی چند ابتدائی آیات پہلے لکھی جاتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سورۃ میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ مسلمانوں کو عام طور پر جنگ کرنیکا حکم دیا گیا تھا کہ تمام کفار کو بزور شمشیر مسلمان بنایا جائے۔

(۱) براءۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین (۲) فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر و اعلموا انکم غیر معجزی اللہ و ان اللہ مخزی الکفرین (۳) و اذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین و رسولہ فان تبتم فھو خیر لکم و ان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ و بشر الذین کفروا بعذاب الیم (۴) الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا و لم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم

عهدهم الى مدتهم ط ان الله يحب المتقين ٥ (٥) فاذا انسلخ الاشهر الحرم
فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم
كل مرصد ج فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فخلوا سبيلهم ط ان الله
غفور رحيم ٥ (٦) وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلم الله
ثم ابلغه مامنه ط ذلك بانهم قوم لا يعلمون ٥ كيف يكون للمشركين عهد
عند الله وعند رسوله الا الذين عاهدتم عند المسجد الحرام
فما استقاموا لكم فاستقيموا لهم ط ان الله يحب المتقين ٥ (٨) كيف وان يظهروا
عليكم لا يرقبوا فيكم الا ولا ذمة ط يرضونكم بافواههم وتابى قلوبهم واكثرهم
فسقون ٥ (٩) اشتروا بايت الله ثمنا قليلا فصدوا عن سبيله ط انهم ساء
ما كانوا يعملون (١٠) لا يرقبون فى مؤمن الا ولا ذمة ط واولئك هم المعتدون ٥
(١١) فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فاخوانكم فى الدين ط ونفصل الايات
لقوم يعلمون ٥ (١٢) وان نكثوا ايمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فى دينكم فقاتلوا
ائمة الكفر انهم لا ايمان لهم لعلهم ينتهون ٥ (١٣) الا تقاتلون قوما نكثوا
ايمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدءوكم اول مرة ط اتخشونهم فالله
احق ان تخشوه ان كنتم مؤمنين ٥ ترجمہ (۱) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان
کر رکھا تھا۔ اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے انکو صاف جواب ہے۔ (۲) تو اے مشرکو امن کے چار مہینے (ذی قعدہ۔
ذی الحج۔ محرم۔ رجب) ملک میں چلو۔ اور جانتے رہو کہ تم اللہ کو (کسی طرح بھی) عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور آخر کار اللہ
کافروں کو (مسلمانوں کے ہاتھ سے دنیا میں) رسوا کرنیوالا ہے (۳) اور حج اکبر کے دن اللہ اور اسکے رسول سے لوگوں کو
(آگاہ کرنیکے لیے عام) منادی کیجاتی ہے کہ اللہ اور اسکا رسول ان مشرکوں سے دست بردار ہیں۔ پس (اے مشرکو!)
اگر تم توبہ کرو۔ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر (اب بھی خدا اور اس کے رسول سے) پھرے رہو۔ تو جان رکھو کہ تم اللہ کو
کسی طرح بھی ہرا نہیں سکو گے۔ اور کافروں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سناؤ۔ (۴) ہاں ان مشرکین سے جنکے
ساتھ تم نے (صلح کا) عہد کیا تھا۔ پھر انہوں نے (ایفائے عہد میں) تمہارے ساتھ کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے
مقابلہ میں کسی کی مدد کی۔ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں۔ تو ان کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اسے اس مدت تک جان سے
ٹھہرا رکھا ہے پورا کر دکھاؤ۔ اللہ ان لوگوں کو جو بد عہدی سے بچتے ہیں دوست رکھتا ہے۔ (۵) پھر جب امن کے
ماہ نکل جائیں۔ تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور انکو گرفتار کرو۔ اور انکا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی

تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو انکا راستہ چھوڑ دو (یعنی ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کرو) کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۶) اور مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسکو پناہ دو یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) کلام خدا کو سن لے پھر اسکو اسکے امن کی جگہ واپس پہنچا دو یہ (رعایت ان لوگوں کے حق میں) اسوجہ سے ہو کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) واقف نہیں۔ (۷) اللہ کے نزدیک اور اسکے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیونکر (معتبر) ہو (کہ انہوں نے عہد شکنی کرکے اپنی بے اعتباری کر لی) مگر جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (صلح کا) عہد کیا تھا اور انہوں نے اب تک اسکو نہیں توڑا تو جبتک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی سیدھے رہو۔ کیونکہ اللہ ان لوگوں کو جو (بدعہدی سے) بچتے ہیں دوست رکھتا ہے۔ (۸) کیسے (معتبر ہو سکتا ہے مشرکین کا عہد) ان کا حال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمھاری بارہ میں نہ قرابت کا پاس ملحوظ رکھیں گے اور نہ عہد و پیمان کا۔ زبانی باتوں سے تم کو راضی کرنا چاہتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور انمیں اکثر ایسے ہیں جو عہد کو توڑتے ہیں۔ (۹) یہ لوگ (دنیا کے لالچ میں آکر) خدا کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا سا فایدہ حاصل کرکے لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگے۔ کیا ہی بُری حرکتیں ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں (۱۰) کسی مسلمان کے بارہ میں نہ تو قرابت کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں نہ عہد و پیمان کا اور یہی لوگ برسر زیادتی ہیں (۱۱) پھر (اے مسلمانو!) اگر یہ لوگ .... تو بہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ تو تمھارے دینی بھائی ہیں اور جو لوگ سمجھدار ہیں انکے لیے ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ (۱۲) اور اگر یہ لوگ (عہد کے بعد) اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں۔ اور تمھارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے پیشواؤں کی قسمیں کچھ بھی اعتبار کے قابل نہیں۔ انسے خوب لڑو۔ تاکہ یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز آجاویں (۱۳) (اے مسلمانو!) تم ان لوگوں سے (دل کھولکر) کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور تمھارے ساتھ جنگ کرنے میں ابتدا بھی انہوں نے ہی کی۔ کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو۔ پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو انسے کہیں بڑھکر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

ان آیات کے صحیح مفہوم اور معانی سمجھنے کے لیے انکی شان نزول کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو دُکھ دینے اور اسلام کی ترقی کو روکنے کے جرموں کا ارتکاب نہ صرف اہل مکہ ہی نے کیا تھا بلکہ تمام عرب کے بت پرست اسمیں متفق ہو کر شریک تھے شروع شروع میں حضور سرور کائنات صلعم ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے جو مکہ کے حج کے لیے عرب کے تمام اطراف سے جمع ہوتے تھے۔ اس ذریعہ سے عرب کی تمام قوموں کو اسلام کی خبر تو پہنچگئی لیکن اونکے دلوں میں بت پرستی نے ایسا گھر کیا ہوا تھا کہ بجائے اسکی کہ وہ اسلام کی طرف کچھ توجہ کرتے انہوں نے اسلام کے ساتھ نہایت سخت دشمنی کا پہلو اختیار کر لیا۔ قریش کے ہاتھ میں کعبہ کی حفاظت اور انتظام تھا۔

وہ آتے جاتے لوگوں کو دین اسلام کے برخلاف جوش دلاتے رہتے تھے۔ اُنکا رسوخ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ انکی دشمنی کے ڈر کے مارے کوئی قوم اسلام کی مدد کرنا تو ایک طرف رہا مخالفت کرنیسے بھی خاموش نہ رہ سکتی تھی۔ اس لیے اگر کسی قوم میں سے کسی شخص کے دل میں اسلام کی صداقت پر ایمان بھی پیدا ہو جاتا تو بھی کھلے طور پر اظہار کرنا نہایت مشکل تھا۔ اور اگر کوئی اپنے اسلام لانیکا علانیہ طور پر اظہار کر بھی دیتا تو اوسپر وہی بلائیں نازل ہوتیں جو مسلمانان مکہ پر نازل ہو رہی تھیں۔ پس اس طرح عرب کی تمام بت پرست قومیں جو ہر سال مکہ میں جمع ہوا کرتی تھیں لازمی طور پر اسلام کی دشمن ہوتی گئیں جب اسلام کی طاقت بڑھنی شروع ہوئی اور قریش شکست پر شکست کھا کر پستے گئے۔ تو عرب کی بت پرست قوموں میں سے اونکے ہمدرد اور معاون نکل نکل کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کے معاہدے کرتے رہے۔ یہ معاہدے اکثر معین اوقات کیلیے ہوتے تھے۔ لیکن کفار کچھ ایسے اندھے ہو گئے تھے کہ اپنے ان صلحنامونکی کچھ بھی پروا نہ کرکے جہاں کہیں موقع پاتے مسلمانوں کو ستانیسے باز نہ آتے۔ چنانچہ جنگ تبوک میں جب آنحضرت صلعم کو تمام اصحاب کی جماعت لیکر جانا پڑا تھا تو اسوقت بھی کفار نے مسلمانوں سے عہد شکنی کرکے انکو دُکھ دیے۔ چنانچہ قرآن شریف میں کفار کی اس باربار کی عہد شکنی کو صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جیسے سورۂ انفال آیت نمبر ۵۸ میں ان بت پرست قومونکا حال بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے۔ الذین عٰھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون۔ ترجمہ (اے پیغمبر) وہ لوگ جن سے تم نے (صلح کا) عہد وپیمان کیا پھر اپنے عہد کو ہر بار توڑتے ہیں اور وہ بدعہدی سے نہیں ڈرتے۔ اور واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواءٍ۔ ان اللہ لا یحب الخائنین۔ ترجمہ۔ اگر تمکو کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو مساوات کو ملحوظ نظر رکھکر (ان کے عہد کو اٹھا) ان ہی کی طرف پھینک مارو۔ کیونکہ اللہ دغابازونکو دوست نہیں رکھتا۔ لیکن آنحضرت صلعم کو واضح طور پر حکم دیا گیا کہ اگر کفار مسلمانوں سے صلح کے خواستگار ہوں اور اسپر قایم رہنے کا وعدہ کریں تو صلح کریں۔ چنانچہ آیات ذیل اس بات کی شاہد ہیں۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم ۰ وان یرید وا ان یخدعوک فان حسبک اللہ۔ ترجمہ۔ لیکن (اے پیغمبر) اگر (کافر) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اوسی کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ اور اگر اونکا ارادہ تم سے دغا کرنیکا بھی ہوگا تاہم تم کچھ پروا نہ کرو کیونکہ اللہ تمکو کافی ہے (انفال آیت ۶۳ و ۶۴) اور اسی امر پر پہلی آیتوں میں یہی تاکید درج ہے چنانچہ ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح۔ وان تنتھوا فھو خیر لکم۔ وان تعودوا نعد۔ ولن تغنی عنکم فئتکم شیئاً ولو کثرت۔ وان اللہ مع المؤمنین۔ ترجمہ (اے اہل مکہ) تم جو فیصلہ مانگتے تھے (کہ جو برسر حق ہے اوسکی فتح ہو) تو (لو) فیصلہ بھی تمہاری سامنے آموجود ہوا

اور اگر آیندہ کے لیے باز رہوگے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور اگر تم پھر جنگ شروع کردوگے تو پھر ہم بھی رجوع کرینگے۔ اور تمہارا جتھا کتنا ہی بہت کیوں نہ ہو کچھ بھی تمہارے کام نہیں آئیگا۔ کیونکہ خدا مومنوں کے ساتھ ہے (انفال ۱۹) جو حالات اوپر مذکور ہوئے ہیں وہی سورۂ توبہ کی شان نزول ہے۔ یہ لوگ جو آئے دن عہد و پیمان قایم کرتے اور توڑتے اور مسلمانوں کو ستانے اور دُکھ دینے سے باز نہ آتے تھے اونکے لیے آخری فیصلہ یہی تھا کہ براءۃ کا اعلان کردیا جائے۔ جب کفّار اور بت پرست اقوام عرب کو جو مکہ کی زیارت کیلیے جمع ہوئے تھے اس سورۃ کی پہلی آیات (جیساکہ احادیث میں درج ہے) سنائی گئیں تو ان لوگوں نے حضور سرور کائنات صلعم کے رسولوں اور ایلچیوں کو کہاکہ اون (آنحضرت صلعم) کو کہدو کہ ہم نے جو عہد و پیمان تم سے کیے ہوئے تھے اونکو توڑ دیا ہے۔ اور اب نیزوں اور تلواروں کے سوا کوئی معاہدہ ہمارے اور تمہارے درمیان نہیں رہا۔

اس کے بعد اب ہر ایک آیت کو علیحدہ علیحدہ لیکر یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اس سورۂ شریف میں قرآن مجید نے دین اسلام پھیلانے کے لیے لوگوں کو دُکھ اور گزند پہنچانا اور جبر کرنا کہیں جائز نہیں رکھا۔ پہلی آیت کے الفاظ سے صریح طور پر پایا جاتا ہے کہ براءۃ اونہیں مشرک لوگوں سے ہوئی ہے جو مسلمانوں سے عہد و پیمان صلح کا کر چکے تھے اس لیے جو احکام اس سے بعد کی آیتوں میں ہیں وہ اسکے تابع ہیں اور اونہیں بت پرستوں کے باری میں ہیں جنکے ساتھ براءۃ کا اعلان کیا گیا۔ ساری دنیا تو درکنار انکے سوا جو دوسرے بت پرست تھے وہ بھی ان احکام میں شامل نہیں کیے گئے۔ دوسری آیت میں بت پرستوں کو کہا گیا ہے کہ "تم خدا کو ہرا نہیں سکوگے" اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کفار کا منشا کیا تھا وہ مسلمانوں سے کوئی دُکھ اُٹھا کر اونکے مظالم کو روکنے کے لیے جنگ نہیں کرتے تھے بلکہ لڑنے سے اونکی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کی طاقت کو کمزور اور تباہ کردیں۔ اور اونہیں مغلوب کرکے اپنا مطیع اور منقاد بنالیں۔ تاکہ اسلام کی ترقی رُک جائے۔ تیسری آیت دو مدعاؤں پر دلالت کرتی ہے۔ ایک تو یہ امر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اعلان تمام کفار دنیا کے لیے نہیں تھا بلکہ صرف اونہیں لوگوں کے لیے تھا جو اوس حج اکبر کے دن مکہ میں جمع ہوئے تھے۔ یعنی صرف اونہیں عربی بت پرستوں کے بارے میں یہ اعلان تھا کہ جو مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے اور دوسرا امر جو اس تیسری آیت سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اس جنگ میں جو ان کفار کے ساتھ ہوا تھا حملہ آوری کی ابتدا کے الزام سے آنحضرت صلعم بری ہیں۔ کیونکہ اسمیں لکھا ہے کہ اللہ اور اوسکا رسول مشرکین سے بری ہیں۔ یعنی انکا کوئی الزام آپ پر قایم نہیں ہوسکتا کیونکہ پہل آپکی طرف سے نہیں چوتھی آیت شریفہ اسبات کو ثابت کرتی ہے کہ جنگ کا اعلان تمام عہد کرنیوالے بت پرستوں کے ساتھ بھی نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ قومیں جو لڑائیوں اور عداوتوں کے بعد مسلمانوں سے صلح کا عہد و پیمان کرکے اوسپر قایم تھیں اس اعلان کے اثر سے بالکل علیحدہ تھیں۔ جنگ تو صرف اون قوموں کے ساتھ مقصود تھا جو مسلمانوں سے عہد و پیمان

کرکے اسکو توڑتے رہتے یا ان لوگوں کے ساتھ جو خفیہ طور پر انکو مسلمانوں پر حملہ کرنیکے لیے امداد کرتے رہتے تھے۔ پانچویں آیت یہ بات عیاں کرتی ہے کہ اگر یہ کفار اسلام قبول کرلیں تو انکی سب ظلم و زیادتیاں معاف کردیجائیں۔ ان کافروں نے مسلمانوں پر ظلموں اور تعدیوں کا اندھیر مچا رکھا تھا۔ لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کو یہی حکم دیا جاتا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو ان پر رحم کریں اور انہیں معاف کردیں۔ عیسائیوں کی طرح لوگوں کو عیسائی بنانیکے لیے اذیتیں پہنچانے کا حکم نہ تھا بلکہ یہاں تو مذہب کے لیے عفو اور رفق اور تالیف کا حکم ہے۔ سخت دشمنوں اور سخت ترین دشمنوں کو معاف کرنیکا اصول بھی دنیا میں اسلام نے ہی جاری کیا ہے۔ اسلامی وحدت ایک سلسلۂ اخوت قایم کرتی ہے۔ اور جب ایک دوسرے کا بھائی ہوجاتا ہے تو پھر عداوت اور بغض سب قدرتاً معاف ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اسکے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے جسکا منشا یہ ہے کہ تم بھی تخلق باخلاق اللہ کرو۔ یعنی جیسے وہ بخشنے والا اور مہربان ہے ایسے ہی اگر یہ کافر تمام شرارتوں سے توبہ کریں اور دین اسلام اختیار کریں جس سے انکی آیندہ شرارتوں کا خطرہ بکلی مفقود ہوجاوے تو تمھیں بھی انکی پہلی شرارتوں کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جیسے خدا تعالیٰ ایک بڑے گنہگار کو جب وہ سچے دل سے توبہ کرے بخشدیتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف کردیتا ہے اسی طرح تم بھی کافروں کو جب وہ تمھارے دینی بھائی ہوجائیں معاف کردو۔ چھٹی آیت پہلے سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ اس خیال باطل کا قلع قمع کرتی ہے کہ مسلمان کافروں کے ساتھ اسلیے جنگ کرتے تھے کہ بجبر انکو دین اسلام میں داخل کریں۔ اس آیت شریفہ میں یہ مذکور ہے کہ جب کوئی مشرک ان لوگوں میں سے جنکے ساتھ تمھاری جنگ ہورہی ہے تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو۔ اور دین اسلام کی اسے تبلیغ کرو۔ پھر جب اسے دین اسلام کی خوبیاں سمجھادی جاویں تو اسپر کسی قسم کا جبر مت کرو بلکہ اسکو اسکی امن کی جگہ میں پہنچادو۔ اب اگر اسلام میں یہ حکم ہوتا جو اسکے دشمن اسپر جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ جو مشرک اسلام قبول نہ کرے اسے قتل کردیا جاوے تو اس موقع پر یہ حکم ہونا چاہیئے تھا کہ اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے کہو کہ دین اسلام قبول کرو اور اگر وہ قبول نہ کرے تو اسے اسی وقت قتل کرڈالو۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اس آخر زمانہ کی وحی میں بھی وہی حکم ہے جو ابتدائی زمانہ کی وحی میں تھا کہ دین اسلام میں کسی قسم کا جبر نہیں بلکہ ہدایت اور گمراہی کی راہیں اب الگ الگ ہوگئی ہیں۔ یہاں بھی یہی کہا کہ دین اسلام کی تبلیغ کے بعد مشرک کو اپنی جائے امن میں پہنچادو۔ قرآن شریف کے حکم اور آنحضرت صلعم کے عمل سے صاف طور پر یہ بات واضح ہورہی ہے کہ (لا اکراہ فی الدین) (یعنی دین میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں) کے اصول کی تبلیغ ہر زمانہ میں اسلام میں ہوتی رہی۔ اور یہ تعلیم کبھی منسوخ نہیں ہوئی۔ جو وحی آخری زمانہ میں ہوئی وہ بھی اسی کی تصدیق اور تائید کرکے اسکو مستند کرتی ہے۔ ساتویں آیت میں یہ بیان ہے کہ کفار کا مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان صلح کا کرنا اب ممکن ہی نہیں۔ اور اس کے وجوہ آٹھویں آیت میں درج ہیں جسمیں اوسی سوال کا اعادہ کیا گیا ہے جو پہلی آیت میں لکھا گیا ہے۔ کفار مسلمانوں کے ساتھ صلح کا عہد و پیمان کرکے مسلمانوں کے

.........کسی قصور کے باعث اوس سے انحراف نہیں کرتے تھے بلکہ اوسکی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جب وہ مسلمانوں سے عداوت پر اُتر آتے تو اوسوقت خون اور عہد کے تعلقات کو بالائے طاق رکھدیتے۔ وہ تو مسلمانوں کے ساتھ مخلصانہ طور پر عہد کرنے کے دلی طور پر مخالف تھے۔ اونکی منشاء یہ ہوتی تھی کہ مسلمانوں کو باتیں کہکے غافل کر چھوڑیں۔ یہی وجہ تھی کہ بار بار وہ عہد کرتے اور بار بار اپنے عہدوں کو توڑتے رہتے تھے جب کبھی اونکی شرارتوں کی سزا دینے کے لیے مسلمان آمادہ ہوتے تو وہ آکر صلح کا پیمان کر لیتے۔ اور جب وہ دیکھتے کہ مسلمان اب کسی اور طرف متوجہ ہیں تو وہ اپنے عہد و پیمان اور تعلقات خون سے بالکل بے لحاظ ہو کر مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیتے۔ نویں آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کفار صرف اتنی بات میں ہی راضی نہ تھے کہ وہ اپنے ہی دین کی رسوم کو آزادی سے ادا کر سکیں۔ بلکہ اونکی خوشی اس میں تھی کہ مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کریں۔ وہ اس لیے نہیں لڑتے تھے کہ مسلمانوں کی طرف سے اونپر اسلام قبول کرنیکے لیے کوئی کسی طرح کا جبر ہوتا تھا بلکہ وہ اس لیے لڑتے تھے کہ مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ نہ اسلیے کہ بت پرستی سے انہیں کوئی جبراً روکتا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتے تھے کہ دوسرے لوگ بت پرستی کو چھوڑیں۔ جیسا کہ آیت شریفہ سے پایا جاتا ہے اونکی اصلی غرض یہ تھی کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنیسے روکیں۔ دسویں آیت اسی بات کو دوبارہ بیان کرتی ہے کہ جب کوئی مسلمان کفار کے ہاتھ آجاتا ہے تو وہ اوس کے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہیں اور صلحنامون اور خون کے تعلقات کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ گیارہویں آیت میں مسلمانوں کو دوبارہ اس بات کا تاکیدی حکم ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں وہ تمھارے دینی بھائی ہیں اونسے لڑائی بند کر دو اور اونکی گذشتہ غلطیوں کو معاف کر دو۔ بارہویں آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ اگر کوئی قوم عہد صلح کرنیکے بعد پھر عہد شکنی کرے تو انکے پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ تیرہویں آیت میں مشرکین عرب کے ان تین خاص جرموں کا ذکر ہے جنکے لیے مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا۔ وہ تین جرائم یہ ہیں:۔ (۱) رسول خدا اور اونکے اصحاب کو ملک سے نکالنے کے منصوبے بنانا (۲) مسلمانوں پر حملہ کرنے میں ابتدا کرنا۔ (۳) جو معاہدہ صلح وہ قایم کر چکے ہیں اوسکی خلاف ورزی کرنا۔ اور مسلمانوں کو ازسرنو دُکھ دینا شروع کر دینا۔

مفصلہ بالا امور سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہو رہی ہے کہ قرآن کریم میں کہیں یہ حکم نہیں کہ غیر مسلمان اقوام کو مذہب کی خاطر دُکھ دیں۔ نہ اسکی کہیں تاکید ہے اور نہ جواز ہے۔ چونکہ عرب کے بت پرستوں نے محض اس لیے کہ مسلمانوں کو بالکل تباہ کر دیں اور اونکا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اونسے جنگ شروع کی۔ اس لیے یہ ایک صحیح اور قدرتی امر تھا کہ اونہیں تلوار سے ہی سزا دیجاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ثابت ہوتا جس سے یہ پایا جائے کہ آپنے اسلام پھیلانے کے لیے کسی وقت

تلوار اُٹھائی اور جبر جائز رکھا ہو۔ اور قرآن شریف میں کہیں بھی ایسا حکم صراحت یا کنایت سے موجود نہیں کہ جس میں یہ لکھا ہو کہ اسلام پھیلانے کے لیے جبر اور تلوار سے کام لو۔ کوئی متنفس دنیا میں یہ بات کہہ نہیں سکتا کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی قوم پر بجبر اسلام منوانیکے لیے چڑھائی کی ہو۔ ہمیں اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ہجرۃ مقدسہ سے چھ سال بعد آپ نے مختلف سلاطین کے نام خط لکھے۔ لیکن ایک بھی ایسا خط نظر نہیں آتا جس میں کسی بادشاہ کو اس بات کی دھمکی ہی دی ہو کہ اگر اسلام قبول نہیں کروگے تو تم پر فوجکشی کیجائیگی۔ ان خطوط میں سے ایک تو اصل ہی مل گیا ہے جسکا عکس کسی گذشتہ اشاعت میں دیا جا چکا ہے۔ اس خط کو دیکھنے سے قطعی فیصلہ اس امر کا ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کفار بادشاہوں کو صرف اسلام پیش کیا تھا۔ نہ اسلام یا بصورت انکار تلوار۔ معتبر اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ اسی مضمون کے مراسلات دوسرے بادشاہوں کو لکھے گئے تھے۔ پادری لوگوں نے دنیا کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے بڑا شور مچایا ہوا ہے کہ سورہ توبہ کی پہلی ۹ آیتوں میں مسلمانوں کو بہت سخت تاکیدی حکم ہے کہ ہمیشہ اسلام پھیلانے کے لیے تعدی اور جبر کرتے رہیں۔ لیکن یہ کیسی مضبوط اور زبردست بات ہے اور عیسائی نکتہ چینوں کے لیے نہایت شرم کا موجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کے نزول کے بعد کوئی جنگ کیا ہی نہیں۔ جتنے جنگ ہوئے وہ انسے پہلے ہو گذرے تھے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سورۃ کی کسی آیت کے یہ معنے سمجھتے کہ اوس میں خدا نے حکم کیا ہے کہ کفار کو جبراً مسلمان بنانیکے لیے اونسے جنگ کرنا چاہیئے تو اونسے بڑھکر اسلام کی اشاعت کا چاہنے والا اور ذمہ وار کون ہو سکتا ہے۔ وہ تو یہ حکم سنتے ہی اپنی افواج کو تمام اطراف میں لوگوں کو مسلمان بنانیکے لیے بھیجدیتے۔ لیکن باوجودیکہ آپ سورۂ توبہ کے نزول اور اس کے موقع حج پر اعلان کے بعد سال بھر سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے لیکن ایک بھی لڑائی آپ نے نہ کی۔ کیا اس سے اس امر کا کافی ثبوت نہیں ملتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان آیات کے کیا معنے سمجھتے تھے۔ جو معنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی سے ثابت ہیں اونسے کفار کو جبراً مسلمان کرنیکے لیے جنگ کرنے کا کسی نوع سے بھی جواز ثابت نہیں۔

پھر زمانۂ نبوت کے بعد حضرات خلفائے راشدین کی سوانح پر جب ہم غور کرتے ہیں تو کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی قوم کو مجبوراً مسلمان کرنے کے لیے فوج کشی کی ہو۔ اور نہ یہ بات ہی ثابت ہوتی ہے۔ کہ کسی قوم کو کسی حال میں تبدیل مذہب پر مجبور کیا ہو۔ جو لڑائیاں انہوں نے کیں مجبوراً کیں۔ رومیوں اور ایرانیوں کے حملوں نے انکی ضرورت پیدا کی تھی۔ ان حملوں کی وجہ یہ تھی کہ رومی اور ایرانی سلطنتوں کے گرد و نواح کی لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ بات ان سلطنتوں میں رہنے والوں کو ناگوار گذرتی تھی۔ اسطرح جھنجلا کر یہ لوگ اسلام کی ترقی کو روکتے اور مسلمانوں کو دُکھ دینے کی نیت سے حملے کرتے اور مسلمانوں کو اپنی حفاظت کی ضرورت آخر

جنگوں پر مجبور کرتی۔ اگر مسلمانوں کا ان ممالک کو فتح کرنا اس نیت سے ہوتا کہ ان لوگوں کو بجبر مسلمان کیا جائے تو کامل فتح کر لینے کے بعد غیر مسلم قوموں کو پوری مذہبی آزادی دینے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ جن جن ملکوں کو مسلمانوں نے فتح کر کے اپنے قبضہ میں کیا وہاں انہوں نے ہر ایک مفتوح قوم کو کامل مذہبی آزادی عطا کر رکھی تھی اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے مذہبی آزادی کا وہ اصول جس کی برکتوں سے آج دنیا مالا مال ہو رہی ہے مروّج کیا۔ جس طرز اور اصول پر اور جن اغراض کو مدّنظر رکھ کر مسلمانوں نے ان سلطنتوں کو فتح کیا تھا۔ وہ ذیل کی عبارت سے بہت اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں جو ایک آزاد خیال دہریہ نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے سنہ ۶۳۷ء میں یروشلم کی فتح کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"خلیفہ والاشان شہر یروشلم میں نہایت امن کے ساتھ بغیر کسی قسم کی خونریزی کے داخل ہوا۔ اور جب وہ اس شہر کے قسیس اعظم کو ہم رکاب لیکر شہر میں سے آثار قدیمہ دیکھتا ہوا گذرا تو وہ اس کے ساتھ نہایت لطف و اکرام سے گفتگو کرتا تھا۔ اس نے عیسائیوں کو انکے گرجوں میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی رسوم کو ادا کرنے کی اجازت دی۔ اور مذہبی آزادی کھلے طور پر عطا کردی۔ اسکا مختصر فیصلہ اس قابل ہے۔ کہ اسکی بڑی عزت کے ساتھ حفاظت کیجاوے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از جانب عمرؓ ابن الخطاب بطرف باشندگان ایلیا۔ واضح ہو۔ کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ اور تمہارے مال و جان کی نگہبانی کریں گے اور تمہارا کوئی گرجا اور معبد گرایا نہیں جائیگا۔ اور سوائے تم لوگوں کے تمہارے معبدوں میں کسی دوسرے کو دخل نہ ہوگا۔ نہ کوئی تمہاری بغیر انکو استعمال کر سکیگا"۔ یہ منصف مزاج مصنف آگے چلکر لکھتا ہے کہ "عمرؓ کی جوانمردانہ وجاہت اور انسانیت اور صلاح الدین کی کریمانہ شجاعت اور مروّت (جس نے گذشتہ زمانہ میں عیسائیوں کو یروشلم کے لینے کے منصوبوں میں پچھاڑا) خونخوار عیسائی بادشاہوں کی درندگی اور وحشیانہ پن کے ساتھ ایک نمایاں اور زندہ مقابلہ رکھتی ہے" (دیکھو کرائمز آف کرسچینیٹی یعنی عیسائیت کے جرم)۔

عیسائیوں کی تواریخ جن مکروہ اور درد انگیز کشت و خون کے واقعات سے لبریز ہے۔ وہ ایسے ہیں کہ پچھلے مسلمان بادشاہوں میں بھی کوئی انکا نمونہ ثابت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے۔ کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے اپنی سلطنت کو وسیع کرنیکی غرض سے ملکوں پر حملے کیے ہوں اور انکو فتح کر کے اپنے ماتحت کیا ہو۔ لیکن جب فتح کے بعد ملک میں امن قایم ہو جاتا۔ اور لوگ انکے ماتحت صلح اور امن سے رہنے لگتے۔ تو مذہب کی خاطر بادشاہ اپنی رعیت پر کبھی بھی سختی نہ کرتا۔ اور نہ کبھی انکے معابد گراتے۔ اور نہ کبھی انکے مذہبی امور میں دخل دینا پسند کرتے۔ کوئی ملک مسلمان بادشاہوں کے قبضہ میں ایسا نہیں تھا۔ کہ جس میں دوسرے مذہب کے لوگ آباد نہ تھے۔ لیکن وہ کبھی دوسرے مذہب کی خاطر ظلم نہ کرتے بلکہ اپنی رعیت کو مذہبی رسوم ادا کرنیکے لیے کامل آزادی عطا کرتے تھے۔ اگر ہم اسلام اور عیسوی مذہب کی

حقیقت اور اصلیت کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی جنگوں کا مقابلہ کرنا چاہیں تو صلیبی لڑائیوں نے حقیقتِ حال اچھی طرح منکشف ہو سکتی ہے۔ اسجگہ ہم یورپین مصنفوں کی قلم سے نکلے ہوئے مضامین کا کچھ اقتباس درج کرتے ہیں۔ جو اس پہلو میں عیسائی مذہب کے برخلاف قطعی طور پر فیصلہ کن شہادت ہے۔ عیسائیوں کی مذہبی لڑائیوں کو مقدس جنگ کہتے تھے اور انکا محرک مذہبی خبط ہوتا تھا۔ لیکن دراصل یہ ایسی ناپاک اور خبیث لڑائیاں تھیں کہ دنیا کو ایسی لڑائیوں کا دیکھنا ہی کبھی نصیب نہوا تھا۔ گبن نے لکھا ہے کہ "صلیبی جنگ کرنیوالے ضرورت کے موقع پر اپنے گرفتار کردہ لوگوں کے بچوں اور جوانوں کے گوشت بھون بھون کر کھاتے تھے"۔ یسوع کے ان حلیم اور رحم دل سپاہیوں کے لیے مردم خواری کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ مقدس جنگ ان لوگوں کی عصمت محفوظ رکھ سکے۔ ہم اسجگہ ایک ہی فقرہ میکاڈ کا لکھ دیتے ہیں جو اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ کس حد تک بدچلنی اور بدکاری ان لوگوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ "اگر اس زمانہ کی تاریخ کا اعتبار کر سکتے ہیں تو یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ صیہوں کی خلاصی کے مجاہدین میں بابل کی خرابیوں میں سے کوئی بھی کم نہ تھی۔ نہایت تعجب انگیز اور شنیدنی نظارہ! صلیبی جنگیوں کے خیموں کے نیچے قحط اور بلانوشی وحشت خیز طور پر ہم پیوستہ تھے۔ ناپاک محبت اور عشقبازی اور لہو و لعب کے لیے بیحد جوش اور حد و نہایت سے گذری ہوئی عیاشی موت کی تصویروں کے ساتھ ملے ہوئے تھی"۔ انکی کشت و خون کے نظارے بہت خوفناک تھے۔ جب انطاکیہ فتح کیا تو اوسوقت بھی انسانیت اور رحم کے جامے اوتار کر بیدریغ ہو کر مسلمانوں میں ایسا قتل عام کیا گیا کہ خون کے دریا چلا دیے اور لاشوں کے خرمن جمع کر دیے "لاطینی وحشی درندوں کی طرح اُمڈ پڑے بوڑھوں کی عزت و اکرام جوانوں کی بیکسی اور بے بسی نازنینوں کے حسن ان درندوں پر کچھ بھی اثر نہ کرتے تھے مسلمانوں کے گھروں میں گھس گھس کر انکو تباہ کرتے اور اگر کہیں مسجد نظر آجاتی تو پھر انکی وحشت اور بھی زیادہ جوش میں آتی"۔ (ملز) مقام مارا میں ایسی وحشیانہ قتل عام کے علاوہ مردم خوری کی وحشیانہ حرکت بھی کی گئی۔ آخرکار جب یروشلم پر قبضہ ہو گیا اور مقصود ہاتھ آگیا تو انکے کشت و خون بھی حد نہایت تک پہنچ گئے۔ اس نظارہ کو گبن الفاظ ذیل میں بیان کرتا ہے۔ "عیسائی خدا کے غلط کار پرستاروں نے ایک خونخوار قربانی اپنے خدا کی نذر کی۔ مقابلہ سے اونکا جوش و غضب زیادہ بڑھتا۔ اور انکے بے رحم غضب و غیظ کے جوش کو نہ کوئی عمر اور نہ کوئی جنس ہلکا اور فرو کر سکتی۔ متواتر تین دن تک ایسی طرح قتل عام میں لگے رہے کہ جو کچھ سامنے آیا بلا تمیز اوسکو تہ تیغ کیا۔ اور لاشوں کے اتنے ڈھیر لگ گئے کہ اونکی بدبو سے وبا شروع ہو گئی۔ ستر ہزار مسلمانوں کو بے رحمی سے قتل کرنے اور بے شمار یہودیوں کو اونکے معبد میں ہی جلا دینے کے بعد بھی اونکے قبضہ میں بہت سے قیدی تھے جنہیں اپنی فایدہ کی خاطر یا تنگی کیوجہ سے انہوں نے قتل سے بچا رکھا"۔ (جلد ۶ صفحہ ۴۵۹) جب میدان جنگ کا جوش خروش ختم ہو گیا اور شہر فتح ہو گیا تو اُسوقت کا جو نظارہ تھا اوسکو میکاڈ بہت خوبی کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"جن اسیران جنگ کو خواہ انسانیت کے سبب اور خواہ اپنی بے استطاعتی کے باعث سے قتل کیا تھا یا جنکی جانیں بہت سارے معاوضہ کی امید میں بچا رکھی تھیں وہ سب بے دریغ تہ تیغ کر دیے گئے۔ مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے مکانوں اور میناروں کے اوپر سے کود کر مریں۔ ہزارہا بیگناہ مسلمان گرفتار کر کے زندہ جلا دیے گئے۔ جو بیچارے خوف کے مارے تہ خانوں میں جا چھپے تھے وہاں سے بھی اونکو کھینچ کھینچ نکالا گیا اور عام پبلک مقامات میں لا کر اونہیں اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور مُردہ لاشوں کے ڈھیر دنیر ڈھیر جمع کیے جاتے رہے۔ ظالم اور جلاّد صلیب پرستوں کے دل ایسے پتھر ہو گئے ہوئے تھے کہ نہ تو عورتوں کے آنسو اور نہ بچوں کی چیخیں اور نہ اوس مقام کا نظارہ ہی اونکے جوش غضب کو فرو کر سکتا کہ جہاں اونکے خداوند یسوع مسیح نے اپنے دکھ دینے والوں کو معاف کیا تھا" اس وحشیانہ نظارے کا حال بیان کرتے ہوئے ملز نے یوں لکھا ہے "مفتوح لوگوں کو پبلک مقامات پر کھینچ کھینچ کر لاتے اور مظلوموں کی طرح قتل کرتے۔ عورتیں اپنے ننھے ننھے شیر خوار بچوں کو چھاتیوں سے لگائے ہوئے اور لڑکے اور لڑکیاں وغیرہ تہ تیغ کیے گئے۔ یروشلم کی چوک اور بازار تو در کنار جہاں پہلے کوئی آدمی بھی نہ رہتا تھا وہاں بھی مردوں اور عورتوں کی لاشیں اور بچوں کے کچلے ہوئے اعضا ربھرے پڑے تھے۔ اون کثیر التعداد ظالم جلاّدوں میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا کہ جسکا دل رحم سے پگھلا ہو یا لطف سے پھسلا ہو" یروشلم کو فتح کرتے ہی جو نظارہ انکے مظالم سے پیدا ہوا تھا اوسکو مؤرخین اس طرح بیان کرتے ہیں "ایک مسجد عمر میں ہی اسقدر مخلوق قتل کی گئی تھی کہ خون کی نہروں میں صحن مسجد کے اندر لاشیں تیرتی پھرتی تھیں۔ کٹے ہوئے بازوؤں اور ہاتھوں کو خون کی موجوں نے بہا بہا کر اون لاشوں پر پہنچا دیا تھا کہ جن سے انکا تعلق نہ تھا۔ اس ایک مقدس مقام میں دس ہزار جانوں کا خون بہایا گیا۔ اس موقع پر صرف مقتولوں کی بے سر لاشوں کو دیکھکر ہی دہشت ناک نظارہ پیدا ہوتا تھا بلکہ خود قاتل خون سے ایسے لتھڑے اور رنگے ہوئے تھے کہ اُن کی شکلیں ایک مہیب منظر آنکھوں کے سامنے لاتی تھیں۔ مغلوب لوگوں کے لیے کوئی پناہ نہ رہی۔ جلاّد جابروں کا جوش و جنون ایسا بے تمیز اور حد و نہایت سے تجاوز کر رہا تھا کہ نہ تو مقابلہ ہی سے ٹھنڈا ہوتا اور نہ منت و زاری ہی سے کچھ افاقہ ہوتا۔ ہزاروں کی گردنیں تیغ و تبر سے جدا کیں اور ہزاروں کو گرجوں اور کنیسوں کی چھتوں سے گرا کر مار ڈالا"

اس خونخواری کے بعد تھوڑا عرصہ ہی گذرا تھا کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین کی سرپرستی میں یروشلم کو خونخوار عیسائیوں کے پنجہ سے واپس لینے کی توفیق عطا فرمائی۔ اب ایک طرف عیسائی لوگوں کے وہ ظلم جو چند روزہ فتح کے عرصہ میں مسلمانوں پر کیے گئے۔ اور دوسری طرف مسلمان جوانمردوں کا فتح یروشلم کے بعد مردانہ شعار اور انسانیت کا برتاؤ۔ دونوں قوموں کا مقابلہ اور موازنہ کرنیکے لیے زندہ مثال ہے۔ ایک آزاد خیال یوروپین عیسائی نژاد نے اسکے ذکر میں جو کچھ لکھا ہے وہ منصف مزاج لوگوں کو اس امر پر یقین دلانیکے لیے کافی ہے کہ عیسائی دین کے مقابلہ پر حلم اور رفق اور رحم اور لطف میں اسلام بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اوس کے

الفاظ کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ مصنف جرائم مسیحیت (کرائمز آف کرسچینٹی) لکھتا ہے "۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین عیسائیوں کو طبریہ پر شکست فاش دیکر یروشلم کی طرف بڑھا۔ وہ اس بات کو دل سے چاہتا تھا کہ اس مقدس شہر کی زمین پر خون کا رنگ نہ چڑھے اس خیال سے سب سے پہلے اوس نے لوگوں میں عام طور پر اعلان کرا دیا کہ اگر وہ بغیر لڑائی کے اطاعت قبول کرلیں گے تو اونہیں شام میں ہی رہنے کے لیے جگہ اور روپیہ دیا جائیگا۔ لیکن عیسائیوں نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ لڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ کئی دن لڑ لڑ کر پھر سلطان کے رحم کے خواستگار ہوئے" اسپر گبن نے لکھا ہے کہ "سلطان صلاح الدین نے شہر کا قبضہ لینا اور انکی جانوں کو قتل سے بچانا منظور کرلیا۔ یونانی اور ایشیائی عیسائیوں کو اوس ملک میں آباد رہنے کی اجازت دیگئی۔ لیکن یہ شرط لگادی کہ چالیس دنوں کے اندر رومی اور فرنگی عیسائی اس ملک کو خالی کردیں اور اونکو بحفاظت تمام مصر اور شام کی بندرگاہوں تک پہنچانیکا خود ذمہ اٹھایا اور انتظام کردیا اور یہ بھی حکم دیا کہ ہر مرد کیلیے دس اور ہر عورت کے لیے پانچ اور ہر بچے کیلیے ایک طلائی مُہر ادا کیجاستے اور جو لوگ اپنی آزادی خریدنے کے لیے بالکل استطاعت نہیں رکھتے اونکو غلامی میں ہی رہنے دیا جائے" پھر آگے چلکر یہ مصنف لکھتا ہے کہ "ہزارہا غریبوں کا معاوضہ صلاح الدین نے اپنی گرہ سے ادا کیا۔ پھر ملک عادل نے سلطان کی مثال کی اتباع کرکے دو ہزار غلاموں کی آزادی کیلیے اپنے خزانہ سے معاوضہ دیا۔ اسطرح قریب ۱/۲ حصہ آبادی باقی رہ گئی جسکا معاوضہ ادا نہ ہوسکا۔ اور اکثروں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلیا۔ وحشی اور خونخوار عیسائی مجاہد تو ہر جگہ بلاتمیز زن و مرد اور بچوں کو قتل عام کرتے۔ لیکن اونکی روش کے برخلاف سلطان صلاح الدین کے حضور میں جو عیسائی عورت اپنے اسیر خاوند اور بچہ اپنے باپ اور بھائی کو چھڑانیکی درخواست کرتی اوسکی حال زار پر سلطانی رحم جوش میں آتا اور اونکی آہ و زاری پر اوسکا دل پگھل آتا اونکے خاوندوں۔ باپوں اور بھائیونکو نہ صرف رہا ہی کرنیکا حکم دیتا بلکہ اونکو انعام و اکرام سے مالا مال کرکے رخصت کرتا۔ میکاڈ اس بلند ہمت اور جوانمرد غیر عیسائی سلطان کی تعریف کرتا اور اس احسان کی گرمجوشی سے شکر گذاری کرتا ہے کہ "اوس نے ماؤں کو اونکے بچے اور عورتوں کو اونکے خاوند جو قیدیوں میں آگئے تھے واپس دیدیے۔ بعض عیسائیوں نے اپنے قیمتی مال و اسباب وہیں چھوڑے اور اپنے ماں باپ کو جو ضعیف تھے کندھوں پر اُٹھا کرلے چلے اور جنکے رشتہ دار بیمار و ناتوان تھے وہ اونکو سر پر لیے ہوئے جا رہے تھے صلاح الدین یہ حال دیکھکر بہت مؤثر ہوا اور اپنے دشمنوں کو اس نیکی اور خوبی کا اس موقع پر قابل تعریف فیاضی دکھاکر معاوضہ دیا مصیبت زدہ لوگوں کے حال پر ترس کھاکر اوس نے ہسپتالوں کے نائٹوں یعنی خبر گیروں کو یہ اجازت دی کہ وہ شہر میں ہی رہیں اور جاتری لوگوں کی مدارات کرتے رہیں۔ اور جو لوگ بوجہ ضعف ناقابل ہوگئے ہوں اور ایسا ہی ان لوگونکو بھی جو بوجہ سخت بیماریوں کے سفر کے ناقابل تھے یروشلم میں رہنے کی اجازت دی" گبن نے بہت خوب لکھا ہے کہ "سلطان صلاح الدین کے ان رحم اور شفقت کے عملوں نے اوسے خاص تعریف اور نسبت کا ہمیہ حق دیدیا ہے ....

صلاح الدین کی انسانیت اور قریب قریب کے عیسائی بادشاہونکی شیطنت میں عجیب اور پُر اثر مقابلہ ہے" ملز کہتا ہے کہ جب یروشلم سے نکلکر اکثر عیسائی انطاکیہ کیطرف چلے گئے۔ لیکن بوہیمند عیسائی بادشاہ نے اونکو پناہ دینے سے انکار کیا اور اونہیں خوب پٹوا کر نکالا۔ جہاں کہیں مسلمانوں کے ملکو نہیں وہ چلتے پھرتے تو وہاں اونکی اچھی طرح خاطر اور مدارات ہوتی"

یہ حوالجات امر زیر بحث کو ثابت کرنیکے لیے کافی ہیں اور ہمیں اب حوالوں سے اقتباس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ بات بہت اچھی طرح اور واضح طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذہبی لڑائیونکا باہم مقابلہ کرنیسے نہ صرف اسی بات کا فیصلہ ہوجاتا ہے کہ اسلام اور مسلمان بادشاہوں کے برخلاف جو جو اعتراض لوگ نادانی سے کررہے ہیں وہ بے بنیاد اور غلط ہیں بلکہ اسبات کا بھی یقینی ثبوت ملتا ہے کہ مذہب کی خاطر نوع انسان کا خون ناحق اور بیدریغ کرنے کا سنگین الزام مذہب عیسوی کے برخلاف صریح طور پر قایم ہے۔ کسی مسلمان بادشاہ نے کبھی کوئی ایک عیسائی بھی بجبر اسلام منوانے کی خاطر نہیں مارا۔ حالانکہ ہسپانیہ اور دیگر ممالک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں بیگناہ مسلمانونکو عیسائیوں نے محض اس لیے قتل کرڈالا کہ اونہوں نے صلیب پرستی قبول کرنیسے انکار کیا تھا۔ سیکڑوں مسجدیں گراکر عیسائیوں نے گرجا بنا لیے۔ لیکن کوئی شاذ و نادر ہی ایسا واقعہ ہوا ہوگا جس میں مسلمانوں نے کسی گرجا کو مسجد بنا لیا ہو۔ اسلام اور عیسائیت کی حقیقت ظاہر کرنیکے لیے در اصل ذیل کا ایک ہی واقعہ بیان کردینا کافی ہوسکتا ہے۔ جب امیر المومنین خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یروشلم کو فتح کرلیا تو آپنے اتنا ہی نہ کیا کہ عیسائیوں کے گرجا کی مسجد نہ بنائی بلکہ جب بطریق اعظم نے کہا کہ آپ ہمارے گرجا میں اپنی نماز پڑھ لیں تو آپنے اسبات کو منظور نہ کیا اور کہا کہ اگر میں تمہاری درخواست منظور کرلوں تو آیندہ زمانہ میں مسلمانوں کو میرے اس فعل کے تتبع کے لباس میں عہد توڑنے کی گنجایش نکل سکے گی"! لیکن جب وہی شہر تھوڑے سے عرصہ کیلیے عیسائیوں کے ہاتھ آگیا تو اونہوں نے مسجد کو بدلکر گرجا بنا لیا۔ اب اخیر میں ہمیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مصنف (جرائم عیسائیت) کرائمز آف کرسچینٹی کی منصفانہ رائے کا اسجگہ کچھ اقتباس کردیا جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ " نہ خود حضرت سرور کائنات (محمد مصطفےٰ صلعم) نے ہی کسی عیسائی پر جو اونکے ساتھ امن سے رہنا چاہتا تھا کچھ زیادتی کی۔ بلکہ بقول گبن اوس نے اونکی حفاظت اور نجات کی آزادی، جائداد کی ملکیت اور مذہبی عبادات کے ادا کرنیکے پورے حقوق بے تامل کھلے دل سے عطا کیے اسلامی سلطنتوں میں عیسائی گرجوں کی اجازت تھی۔ حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی عیسائی سلطنت ہرگز یہ گوارا نہ کرتی کہ اوس میں کوئی اسلامی مسجد بھی ہوتی۔ ہندوستان میں بھی شاہان اسلام نے ہندوؤں کے بت خانونکا باقی رہنا برداشت کیا۔ عربی خلفاء نے اپنے عہد میں تمام ایشیائی لوگوں کی مذہبی آزادی بحال رکھی۔ بطریق بشپ اور پادری خانگی امور میں سول مجسٹریٹوں کی محافظت میں تھے۔ لایق عیسائی وزیر اور حکیم بنائے جاتے مالگذاری کی تحصیلات کے عہدے پر ممتاز کیے جاتے۔ اور بعض دفعہ شہروں اور صوبونکے حاکم بھی بنائے جاتے۔ جب صلاح الدین نے یروشلم کو عیسائیوں کے ہاتھوں سے

چھٹا البا تو لاطینی اور یونانی اور مشرقی عیسائیوں میں تمیز مقرر کردی۔ جسکی رو سے اول الذکر یعنی لاطینی عیسائی تو اسیران جنگ شمار کیے جاتے۔ لیکن دوسرے یعنی یونانی اور مشرقی عیسائیوں کو بدستور سلطانی رعیت کے حقوق عطا کیے گئے اور انہیں عام طور پر اپنے دیوتاؤں کو اپنے طرز مذہب پر پرستش کرنیکی اجازت تھی۔ اونکے مذہب میں کوئی دست اندازی کیجاتی تھی اس تحمل آمیز رعایت کا آجتک اوسیطرح رواج ہے اور کبھی سے اسکی خلاف ورزی نہیں کی۔ ترکی حکومت کے ماتحت آجتک یہودی اور عیسائی اوسی آزادی خیالات کے حقوق کے مزے اڑا رہے ہیں جو اونکے اجداد کو خلفا نے عطا فرمائی تھی۔ بہت سا ایسے مظلوم جنکو عیسائیوں کے تعصب کے ظلم نے ملک چھوڑ بھاگنے پر مجبور کیا اونکو ان مسلمانوں ہی کے زیر حکومت پناہ ملتی رہی جنکو نادان معترض ”دکھ دینے والے مسلمان“ کر کے پکارتے ہیں!! اسی مصنف نے عیسائیوں کے صلیبی جنگوں کے نتایج کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے ”وہ غیر عیسائیوں کو لڑکر ملک سے بدر کر دینے کے سبب سے مذہبی دیوانگی کا جوش اور بھی بڑھا۔ اور اپنے وطن میں ملحدین کے برخلاف تلوار زیادہ تیز کی گئی“ جارٹن لکھتا ہے کہ ”خدا کے بے پھانسی دینے اور زندوں کو جلانے کا عالمگیر رواج تیرھویں صدی کو دیکھنا نصیب ہوا“ ملیمین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”اس مقدس جنگ سے یہ مسئلہ بھی مضبوط ہوگیا کہ عیسائی مذہب پر ایمان نہ لانیوالے مسیح کے ذاتی دشمن ہیں۔ اگر وہ مسیح پر ایمان نہ لائیں تو انہیں سزا دیجاوے اور پاکبازی کی تلوار سے قتل کرکے اونکا خاتمہ کر دیا جائے۔ ان بیشمار خرابیوں کے علاوہ جو صلیبی جنگوں کے سبب سے ظہور میں آئیں یہ انکا ہی نتیجہ تھا کہ شمالی بت پرستوں اور البیجنس پر قتل عام کی تلوار چلائی گئی اور بہت سی دوسری عالمگیر خونت گیریوں اور ظلموں کی بنیاد ڈالدی جن کے ذریعہ سے بعد میں پادریوں نے یورپ کو تباہ کردیا۔“

ہم نے اس مضمون میں صرف واقعات کا ذکر کر دیا ہے اور یہ بات ناظرین پر چھوڑ دی ہے کہ وہ خود انصاف سے نتیجہ نکال لیں کہ آیا اہل اسلام نے لوگوں کو بجبر اپنا دین منوانیکے لیے ظلم کرنے کے اصول پر عمل کیا یا عیسائیوں نے۔ اور آیا اسلام نے نہایت وحشیانہ بیرحمی سے مخلوق خدا کا خون ناحق گرایا یا عیسائی مذہب نے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائیوں کے عملی نمونہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بردباری اور تحمل اس مذہب میں موجود ہی نہیں۔ جب دنیا میں اسلام آیا تو اس نے تحمل اور بردباری کے اصول دنیا کو تعلیم کیے۔ پھر عیسائیوں نے بھی بردباری اور تحمل کو اسلام سے سیکھا۔ لیکن وہ ایسے محسن کش اور ناشکر گذار ہیں کہ اسلام ہی کو ناحق ایسے جرائم کا مرتکب قرار دے رہے ہیں۔

عیسائی مذہب کا انجام

نشکاگو کی یونیورسٹی ڈائجسٹ کے پہلے نمبر میں پروفیسر فاسٹر کی کتاب بنام فائنیلٹی آف دی کرسچین ریلجنس کا

ایک قابل قدر خلاصہ چھپا ہے۔ اس کتاب میں اسبات کا جواب دیا گیا ہے کہ "کیا عیسائی دین سب سے آخری دین ہے" اس میں یسوع مسیح کے معجزات پر ایمان کے بارے میں بہت بحث کی گئی ہے اور جو خیالات اور دلایل اس میں پیش کیے گئے ہیں وہ عام مذہبی عیسائیوں کے خیالات اور عقاید سے بہت مخالف ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کثیر التعداد پادری لوگ اس کتاب کے عقاید اور خیالات سے متفق ہیں۔ چنانچہ بپٹسٹ فرقہ کے پادریوں کے ایک جلسہ میں ۲۲ کے مقابل ۴۸ راؤں سے یہ تجویز قرار پائی۔ "تجویز ہوا کہ یہ جماعت بحیثیت ایک کانفرنس ہونیکے ظاہر کرتی ہے کہ ہمارا پختہ یقین ہے کہ جو خیالات اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں وہ کتاب مقدس کے عقاید کے بالکل مخالف ہیں۔ اور اس کی تعلیمات اور میلان اون حقایق کے بالکل برخلاف ہیں جو عیسائی دین کی روح و روان ہیں" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۲ پادری صاحبان کے خیالات کا اس کتاب کی طرف میلان تھا۔ کسی دوسرے موقع پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ "اسکے نتایج کو کلیسیا کے عہدہ داروں نے قبول کر لیا ہے" اور "یونیورسٹی میں تو یقیناً اسکو علم فلسفہ اور علم الٰہیات کی ایک عمدہ کتاب مانا گیا ہے" عیسائی دین کا سارا دارمدار یسوع مسیح کے قبر سے زندہ اُٹھنے کے مسئلہ پر ہے۔ پروفیسر فاسٹر نے اس امر پر لکھا ہے کہ "اس بات کی اصل وجہ یہی ہے کہ یسوع کا جسمانی طور پر قبر سے جی اُٹھنا عیسائی دین کے عقاید کا بنیادی پتھر ہے۔ اور اس مذہب پر اس نے ایسی مضبوط مُہر لگا دی ہوئی ہے کہ بہت لوگوں کے نزدیک دین عیسوی کی زندگی اور موت صرف اسی واقعہ کے تاریخی ثبوت پر منحصر ہے۔ خود پولوس نے لکھا ہے کہ "اگر یسوع کا زندہ اُٹھنا ثابت نہ ہو تو ہمارا ایمان ہی باطل ہے۔ اور ہم گناہوں کی حالت میں ہی گرفتار ہیں" کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم اپنے آپ ہی سے یہ سوال کر کے دیکھیں کہ کیا ہم ایسی حالت میں ہیں کہ اس پولوسی مسئلہ کے ساتھ تجربہ کر سکیں۔ یسوع کی موت کے بعد جو کچھ واقعہ گذرا اوس پر اپنی رائے قایم کرنیکے لیے ہم انجیلوں کے بیانات اور پولوس کی شہادت پر حصر کرنیکے پابند ہیں۔ لیکن یہ بیانات ایسے متوافق ہرگز نہیں کہ انکی بنا پر ہمارا کانشنس مسیح کے جی اُٹھنے کو ایک صحیح واقعہ ماننے کے لیے مجبور ہو۔

یسوع کے زندہ جی اُٹھنے کے مسئلہ کی اتنی اہمیت اسکی کمزوری شہادت کی نسبت سے بہت ہی بعید ہے۔ انکے بیانات سے صرف ایک بے ثبات تصویر نظر آتی ہے جو یقین کی نگاہ کے آگے کسی صورت سے بھی ٹھہر نہیں سکتی۔ کیا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی سب سے اعلیٰ اور مقدس مذہبی زندگی کا مدار ایسے واقعہ پر رکھدیں جسکی کوئی بھی کامل اور واضح تصویر بنا ہی نہیں سکتا؟ اور کیا سچ مچ یہ لازمی ہے کہ اسی واقعہ پر ہم اپنی نجات کی بنا رکھدیں؟ کیا اس کے سوا نجات کی کوئی بنیاد نہیں؟ کیا ہمارے دین کے حقایق خدا کی محبت اوسکا فضل اوسکے احکام اور اوسکی سلطنت بجائے خود قابل اعتبار امور نہیں ہیں؟ کیا اگر ہم توبہ کریں اور صدق ایمان سے کے ساتھ اوسکے فضل کے خواستگار ہوں تو ہمیں مغفرت نہیں مل سکتی؟ اگر یسوع کی روح ہم میں آباد ہے اور ہمیں خدا کی سلامتی سے پُر کرتی ہے

تو کیا وہ ہمیں تسلی نہیں دے سکتا؟ اگر یسوع کا جسمانی طور پر جی اُٹھنا اور کسی خاص زمانہ تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا ثابت نہ ہو تو کیا ابدی زندگی میں ہمارا ایمان بے بنیاد ہوگا؟ عہدنامہ عتیق کے بزرگوں کا کیا حال ہوا جو یسوع کے جسمانی جی اُٹھنے پر ایمان نہ لائے تھے؟"

یسوع کی اعجازی ولادت کو پروفیسر فاسٹر صرف اسی صورت میں ناقابل تسلیم بیان کرتا ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم روح القدس کے ذریعہ حاملہ ہوئی تھیں۔ لیکن جس طرح سے مذہب اسلام میں اسکو پیش کیا گیا ہے اور قرآن کریم میں اوسکا ذکر ہے اسکے ماننے میں کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ پروفیسر فاسٹر کی رائے اسی کے مطابق ہے۔ وہ لکھتا ہے "ایک اور مثال اسی قسم کے دلایل کی کافی ہوگی۔ دلیل یہ دیگئی ہے کہ مسیح کا کنواری سے پیدا ہونا ممکن ہے کہ پارتھینو جنیسس کے آخری درجہ کی صورت ہو جسکے متعلق پروفیسر لوب نے ثابت کیا ہے کہ ادنیٰ درجہ کی حیوانی زندگی کے علاوہ بھی اسکی نظیریں ملتی ہیں اور یہ یقین ظاہر کیا ہو کہ ہر ایک نئی روح میں اسکا ہونا ممکن ہے (پارتھینو جنیسس توالد تناسل کی ایک خاص حالت ہے جس میں ایک مادہ میں ذکور اور اناث کے مادے موجود ہونیکے سبب سے بلا باپ توالد تناسل کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے) پس دلیل کے رو سے مسیح کا کنواری سے پیدا ہونا اسی اجتماع مادتین سے پیدایش کے کمال کی ایک مثال ہے۔ اس جملے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ پیدایش عمل دستکاری کے ذریعہ سے واقعہ ہوئی یا کسی اور طرح سے۔ اُس مصنوعی ترکیب میں جہاں ایک عالم اور ماہر فن نے بہت تجاریب حاصل کرنیکے بعد دونوں قسم کے مادوں کو ایک جسم میں دستکاری کے ذریعہ سے باہم مرکب کر دیا ہو اور کنواری کے پیٹ سے اسی طرز میں بچہ پیدا ہونے کے درمیان کہ جہاں طبعی اور علمی دستکاری کا دخل ہی نہ ہوا ہو مشابہت بہت ناقص ہوگی۔ شاید اس دلیل بیان کرنیوالے کے ذہن میں غالباً وہی اجتماع مادتین ہے جو قدرتی نگہت ظہور پذیر ہوا کرتا ہے۔ اب اس حالت میں ایک مشکل سے نکلکر اوسکو اوس سے بڑی مشکل میں گرنا پڑا ہے۔ اس اجتماع مادتین کے صحیح معنے تو یہی ہو سکتے ہیں کہ کنواری ہی بچے کی ماں ہے اور کنواری ہی بچے کا باپ ہے۔ اس اصول پر بچے کا قدرتی اصل بین طور سے ایسا مکمل ہو جاتا ہے کہ گویا درحقیقت اوس کی پیدایش میں باپ بھی ذریعہ ہوا تھا (کیونکہ اسکی ماں میں دونوں مادے موجود تھے) لیکن اس تشریح سے اوس بیان کی غلطی ثابت ہوتی ہے جس میں یسوع کی آبائی نسب روح القدس کی طرف منسوب کیجاتی ہے۔ یعنی اس تشریح سے جس واقعہ کی تشریح کرنا مقصود ہے وہ واقعہ ہی غلط ہو جاتا ہے"

اسجگہ اس بات کا ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا کہ قرآنی اصول کے رو سے مسیح روح القدس کا بیٹا نہ تھا۔ بلکہ روح القدس نے صرف مریم کو بطور پیشگوئی صرف اس امر سے اطلاع دی تھی کہ اوسکے بغیر باپ کے لڑکا پیدا ہوگا۔ ورنہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مسیح کو اور نبیوں کی طرح انسان ہی بیان کیا گیا ہے۔

اور معجزات کے بارے میں اسلامی اعتقاد عیسائیوں کے اعتقاد سے بہت امور میں مختلف ہے۔ نبی اسلام کا سب سے بڑا معجزہ خود قرآن شریف ہے، جس کے مثل لانیسے ہر ایک زمانہ میں مخالفین عاجز رہے اور اب بھی عاجز ہیں یہ ایک معجزہ ہے اور اس زمانہ میں بھی ویسا ہی عظیم الشان اور قطعی ہے جیسا کہ حضرت سرور کائنات صلعم کے زمانہ میں تھا۔ دوسرے اسلام میں قرآن کریم کی عظمت اور اسکی تعلیمات کی اخلاقی اور روحانی فوقیت پر معجزات کی نسبت زیادہ زور ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ معجزات بھی قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جنکو آیات کہا گیا ہے کیونکہ وہ آپ کی صداقت کے نشان ہیں۔ لیکن یہ نشانات ایک خاص زمانہ تک محدود نہ تھے۔ انکی صداقت کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ اسلام کے آسمانی نشانات ہمیشہ ہر زمانہ میں خدا کے برگزیدہ لوگوں کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے نشانات کے ظاہر کرنیکے لیے مامور فرمایا ہوا ہے۔ ان خارق عادت نشانات کی حقیقی تشریح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک عادی اور معمولی اور دوسرے غیر معمولی۔ معمولی کام معمولی طور پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی خدا کا بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنا ایسا پیوند قایم کر لیتا ہے جو خارق عادت ہوتا ہے تو پھر خدا بھی اوسکے ہاتھوں پر اپنے اعجازی اور خارق عادت نشانات ظاہر فرماتا ہے۔ دونوں قسم کے کام خدا کے کام ہوتے ہیں۔ اور خاص حالات کے ماتحت مشیت الٰہی کے موافق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

عیسائی مشنری اور مسلمان

پادری سی ٹی ولسن نے ڈی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ کی گذشتہ اشاعت میں ایک مضمون بعنوان "دنیائے اسلام میں موجودہ حالات اور مشنوں کو مسلمانوں سے امیدیں" لکھا ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کے ضعف کی وجہ اپنے آقا (مسیح) کا ایک قول قرار دیا ہے کہ "وہ جو تلوار اٹھاتے ہیں تلوار سے ہی تباہ کر دیے جائیں گے"۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ اونیسویں صدی کے آخری حصہ میں انگلستان اور روس کو افغانیوں ایرانیوں۔ ترکمانوں اور بعض اور مسلمان قوموں پر بار بار فتوحات حاصل ہوئیں۔" مگر پادری صاحب کو اس پیشگوئی کے پورا ہونیکے لیے اتنے دور دراز زمانہ تک سراغ پہنچانیکی تکلیف کی ضرورت نہ تھی۔ اگر وہ اپنے مذہب کی تواریخ پر ذرا غور کر لیتے تو اونہیں صاف نظر آجاتا کہ اسلام سے پہلے عیسائیوں نے یہودیوں اور بت پرستوں کے برخلاف تلوار اُٹھائی تھی اور اس کے بعد عیسائیوں کے ممالک مسلمانوں نے فتح کر لیے تھے۔ اسلیے اگر

بعض حالات کی بنا پر مسیح کی پیشگوئی کا اونیسویں صدی کے آخری حصہ میں پورا ہونا ثابت ہو سکتا ہے تو یہ ثبوت تو زیادہ اجلی اور واضح طور پر اس سے ایک ہزار برس پہلے مل سکتا ہے۔ اس پیشگوئی کو یوں منطبق کرنیسے صرف اس بات کا ثبوت ملتا ہی کہ اگر عیسائی مشنریونکے ہاتھ میں کچھ پولیٹکل طاقت ہوتی تو وہ پھر ایک دفعہ دنیا کو اپنی اون پہلی خونریزیونکا نظارہ دکھا دیتے جیسا بیچارے یہودیونکا شکار کیا تھا + راقم مضمون اسبات کو ثابت کرنیکی کوشش کرتا ہے کہ عیسائی مشنریوں کا شفاخانے بنانا اور مدرسے قایم کرنا بڑی بھاری فوجیں ہیں جو اسلامی قلعونکی بنیاد ونکو اُکھاڑ رہی ہیں۔ یعنی بالفاظ دیگر راقم کا خیال ہے کہ عیسائیوں کے شفاخانوں اور مدرسوں اور عیسائیونکی دنیا میں ترقیات کو دیکھکر مسلمانوں کو اس بات کا یقین آرہا ہے کہ عیسائی دین سچا ہے۔ ہم نے عموماً عیسائی مشنریوں کو یہی باتیں بار بار الاپتے دیکھا ہے لیکن تعجب آتا ہے کہ وہ ذرا خیال نہیں کرتے کہ یہ باتیں کیسی بیہودہ اور فضول ہیں۔ عیسائی ممالک کو فتح کر کے مسلمانوں نے بہت کامیابی کے ساتھ اون ملکوں میں بیت العلوم اور مدارس اور کالج قایم کیے۔ لیکن صدیوں تک عیسائیوں نے جہالت اور وحشت کی تاریکیوں سے قدم باہر نہ نکالا تو اوسوقت عیسائی مذہب جھوٹا تھا۔ اور اب کچھ مادّی ترقی کر کے سچا دین ہوگیا ہے؟ اگر مسیحی لوگ اسبات کے خواہاں ہیں کہ ہم اونکے بعض خیراتی کاموںکو قایم کرنیسے یہ نتیجہ نکالیں کہ "عیسائیونکا خدا محبت کا خدا ہے" جیساکہ ولسن صاحب نے تحریر کیا ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ عیسائیوں کے اون مظالم اور بیرحمیوں سے ہم کیا نتیجہ نکالنے کا حق رکھتے ہیں جو اونہوں نے بت پرستوں اور یہودیوں اور مسلمانوں پر کیے؟ اور یہ ایسے ظلم تھے کہ سوائے عیسائی دین پھیلانیکے اور کوئی باعث انکا بظاہر نظر نہیں آتا اپنے مذہب کی محبت کے شوق میں پادریصاحب کو مسلمانوں کے وہ الطاف اور احسانات فراموش نہیں کرنے چاہییں جو وہ کفار پر کرتے رہے ہے۔ انکی ایسی کوششوں سے تواریخ کے صفحات نہیں مٹ سکتے۔

راقم مضمون کو اس بات کا بھی یقین ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات مسیحی مذہب کے متعلق دن بدن اسکے حق میں مؤید ہوتے جاتے ہیں۔ اسکی تائید میں وہ "ایک آزاد خیال مسلمان" کی سند پیش کرتا ہے جسنے اوس نے کہیں یہ کہتے سنا تھا کہ "دنیا کی ابتدا مسیحی دین سے ہوئی ہے اور خاتمہ بھی اسی پر ہوگا" اور ایک اور مسلمان کا کلام بھی پیش کیا ہے کہ "سیدنا عیسیٰ خدا تھا" اور اسکی تائید میں ایک آیت نقل کر کے اوسپر حاشیہ چڑھایا ہے کہ اسکا مطلب سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خدا تھا؟ ہم اسکو ایک بھلے مانس کا بیان فرض کر کے مسٹر ولسن کیخدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اونکا آزاد خیال شیخ اور دوسرا مسلمان محض اُسی قسم کے دو خردماغ انسان ہیں جیسے کثرت سے عیسائی ممالک میں اور بعض مسلمان ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ یہ کذب محض ہے کہ دنیا کی ابتدا عیسائی تھی اور ایسا ہی صاف اور عظیم دروغ یہ ہے کہ دنیا کا انجام بھی عیسائی ہی ہوگا۔ ایسا ہی

کبھی کوئی مسلمان جسکو قرآن شریف کی کچھ بھی واقفیت ہے ایک لمحہ کے لیے بھی مان نہیں سکتا کہ قرآن کریم میں یسوع کو خدا کہا گیا ہے ۔ بلکہ قرآن شریف تو بہت صراحت اور زور کے ساتھ مسیح کی خدائی اور اوسکے کفارہ کے مسئلہ کی تردید کرتا ہے ۔ آگے چلکر مسٹر ولسن نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو بچپن ہی سے یہ بات سکھلائی جاتی ہے کہ عیسائی نجات کی تجویز جھوٹی ہے ۔ بالکل سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ عیسائی صاحبان نے خود عقلی بلوغ کو پہنچکر اسبات کو سمجھ لیا ہے کہ انکی نجات کی تجویز سراسر باطل اور لغو امر ہے ۔ عیسائی مشنریوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں پر اپنے مذہب کی صداقت ظاہر کرنیکے لیے کوئی معقول رستہ اختیار کریں ۔ ہسپتالوں اور مدرسوں کے قایم کرنیکو دلیل ٹھہرانا معقول پسند انسانوں کے نزدیک نہایت خفیف اور مضحکہ انگیز ہے ۔

گرجوں کو دلکش بنانیکے نئے حیلے

پہلے تو عیسائی لوگ وعظ کرکے لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنیکی کوشش کیا کرتے تھے لیکن اب غیر عیسائیوں کو مذہب عیسوی کی طرف اور عیسائیوں کو گرجوں کی طرف کھینچکر لانیکے یہ نئے طریقے پرانے طریقوں کی نسبت بہت زیادہ مؤثر ثابت ہو رہے ہیں ۔ چنانچہ اخبار سول ملٹری گزٹ مورخہ ۲ نومبر میں نیویارک سے ڈیلی میل کے نامہ نگار کے حوالہ سے بعنوان "دلکش دلربا" لکھا ہے "ہمنری ایسکوپل میتھوڈسٹ چرچ جو منایونک فلاڈلفیا محلہ میں واقعہ ہے وہاں کے پادری صاحب نے اپنی امامت کو بہت زیادہ دلکش بنانیکے لیے ایک نیا طریقہ دریافت کیا ہے جس سے دونوں نمازوں کے وقت لوگوں کا بہت بڑا ہجوم ہو جاتا ہے ۔ اوس نے یہ تجویز نکالی ہے کہ اپنے مقتدیوں میں سے نوجوان ۔ دلربا کنواری نازنین لڑکیوں کی ایک جماعت بناکر اونکو اس کام پر لگایا ہے کہ گرجا میں آنیوالوں اور آئے گئے اجنبیوں کے ساتھ ہوکر انہیں مناسب جگہوں پر بٹھائیں ۔ اور اپنے ناز و انداز سے اونسے چندے اور گرجا کے جنوب جمع کریں ۔ ان لڑکیوں کی نوبتیں مقرر کی ہوئی ہیں ۔ اور ہر ہفتے ۱۲ لڑکیوں کو اس مقدس کام کے لیے آنا پڑتا ہے انکا لباس بھی کچھ سوچکر بہت خوشنما بنایا ہوا ہے جس سے حسن شباب کی رونق دوبالا ہوکر لوگوں کو زیادہ گرفتار دام بناتی ہیں ۔ سفید رنگ کے نہایت اچھے بھولے بھالے جامے پہنے ۔ اور سروں پر عجیب طرز کی خوشنما لیسدار ٹوپیاں لیے ہوئے بڑے ناز و انداز کے ساتھ گرجا کے دروازہ پر آنیوالے لوگوں کے دل کھینچنے اور استقبال کرنیکے لیے کھڑی ہوتی ہیں ۔ اس نئی تجویز نے پہلے تجربہ میں بڑی کامیابی دکھائی ۔ وہ نوجوان جو اصلاح کے نزدیک بھی نہ پھٹکتے تھے اب اس کشش کی بدولت دور دور نزدیک سے گروہ در گروہ کھنچے چلے آتے ہیں ۔ پادری صاحب جسکا نام ریورنڈ ایورٹ ڈی ڈکس ہے اپنی اس کامیابی کو دیکھکر باغ باغ ہو رہا ہے ۔ اور وہ بیان کرتا ہے کہ اسکی نسبت مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ ان نوجوانوں کو

اس نور کے یوں جمع کرنیکی لاینحل مشکل اس تجویز سے حل ہو جائیگی۔ جنکو اپنا شغل اور عیش اسطرف آنیکی اجازت نہیں دیتا تھا۔“ گرجا کے خواص حامی مشہور و معروف کاروباری لوگ ہیں اور اون سب کو اسمیں مساوی خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ خزانچی نے کہا ہے یہ بات کافی ہے کہ گذشتہ سال کے اسی اتوار کی نسبت اس دفعہ کی آمدنی میں ۵۰ فیصدی کی ترقی ہوئی ہے۔“

ہم اس بات سے واقف نہیں کہ اس پادری نے اپنے اس طریق سے نوجوان لوگوں میں روشنی پھیلانے کی بنا انجیل پر رکھی ہے کہ نہیں۔ لیکن ہمارا قیاس یہی ہے کہ چونکہ وہ عیسائی پادری اور امام ہے اس لیے ضرور ہے کہ اوسکو اس نئے طریق کے جواز کا حق انجیل کی تعلیم سے ہی ملا ہوگا۔ اور غالباً وہ اسی خیال میں ہوگا کہ اوس نے اس نئے طریق سے اون لوگوں میں روشنی پھیلانے کے لیے یسوع مسیح کی پیروی اختیار کی ہے جو اگر یہ طریق ایجاد نہ کیا جاتا تو محروم رہ جاتے اسی طرح عیسائی مشنری بھی اسی قسم کے دل بہلانیوالے حیلوں سے لوگوں کو عیسائی بنانیکی کوشش میں لگ رہتے ہیں۔ ان واقعات سے ایک معقول انسان خوب سمجھ سکتا ہے کہ عیسائی دین میں دلی طہارت کا حاصل کرنا کہاں تک مقصود ہے صاف ظاہر ہے کہ یہ نوجوان جو غیر معمولی طور پر گرجا میں جمع ہوتے ہیں اونکو صرف اون حسین اور دلربا مہوشوں کی محبت کا جوش کھینچکر یہاں لاتا ہے۔ ورنہ پہلے بھی وہی گرجا اور وہی پادری ہوتے تھے اور وہ کبھی اوس راہ میں آنا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ لوگ جو اسلامی پردہ کے مخالف ہیں اس بات کے مؤید ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا آزادی سے کھلے طور پر باہمی میل جول انسان کے دل پر کوئی برا اثر نہیں پیدا کرتا ہے۔ اس موقع پر اونسے سوال کیا جاتا ہے کہ یہ نوجوان یہاں بجز اوس کشش کے اور کیوں آتے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کے باہم اختلاط میں ایک خوشی ہوتی ہے۔ لیکن یہ خوشی عموماً شہوانی ہی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مقدس دین اسلام نے جس میں کامل طہارت نفس اعلیٰ مقصد رکھا گیا ہے عورتوں اور مردوں کے کھلے طور پر ملنے جلنے کو منع کرتا ہے۔

شرقیوں اور غربیوں میں اخلاق کے مفہوم کا فرق

بیان کیا جاتا ہے کہ جوزف ایف سمتھ جو عیسائی مورمن کا پیشوا ہے بجرم کثرت ازدواج گرفتار کیا گیا ہے۔ اوسکے سزا پانے میں بعض شکوک ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اس بات کا خوف ہو رہا ہے کہ شاید وہ شادیاں ہی ثابت نہ ہوں۔ اور عورتیں اوس سے تعلق مناکحت کا انکار ہی کر دیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ بصورت ثبوت نکاح وہ مستوجب سزا ٹھہرے گا اور اگر اونکا تعلق ناجائز یعنی زناکاری کا ثابت ہوا تو وہ بری ہوگا۔ یہی ایک بڑا فرق مشرقی اور مغربی

دنیا کے مفہوم اخلاق میں ہے۔ یعنی مسلمانوں اور عیسائیوں میں جو مفہوم اخلاق ہے وہ اسی امر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اسلامی عدالت میں پیش ہو کر زنا کے ارتکاب کا اقبالی ہو تو وہ سخت ترین سزا پانیکا مستوجب ٹھہریگا۔ لیکن وہی اقبال اگر ایک عیسائی عدالت میں کرے تو اوسکے لیے بریت کا ذریعہ ہوگا۔ اگر قدیم زمانہ کے نبیوں اور داناؤں نے کوئی تعلیم نیکی کی دی ہے اور خود عیسائیوں کے جدید ترین معتقدات میں بھی یہ بات داخل ہے کہ ضرور انکی تعلیم نیکی کی ہے تو اوس کے رو سے زنا چونکہ تمام بدکاریوں سے گندہ ترین گناہ ہے اس لیے اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو عملی طور پر عیسائی دین کی رو سے اگر ایک بیاہا ہوا عیسائی کسی غیر عورت سے چاہے تو بیشک ناجائز تعلق رکھے۔ اور جب تک کہ وہ عورت دوسرے کسی نام سے موسوم ہے اوس وقت تک اس کے ساتھ ناجائز تعلق رکھنے میں عیسائی دین کو کوئی اعتراض نہیں۔ ہم لوگ جو شرق میں رہتے ہیں اہل مغرب کے اس مفہوم اخلاق کی عظمت اور خوبی سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ اور اسی طرح یہ بات سمجھنے سے بھی ہمارے دماغ بہت دور ہیں کہ کثرت ازدواج کیوں گناہ ہے اور ایسی حالت میں ایک انسان زنا کے ارتکاب کا اقبال کرکے کیونکر چھٹکارا پاسکتا ہے؟ یہ تو حقیقت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان ناجائز تعلقات کے عملی طور پر جواز کی اجازت دینا ہے۔

رسوم جاہلیت

پچھلے ماہ میں ریویو کے عنوان کے نیچے مینے اس کتاب کا ذکر کیا تھا۔ مگر وہاں گنجایش نہ ہونیکے سبب سے بہت مختصر سا نوٹ کیا گیا تھا۔ یہ کتاب واقعی جیسا کہ مینے پہلے لکھا تھا ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں اسلام سے پیشتر کے عربوں کی حالت بیان کیگئی ہے اور انکی رسوم انکے اعتقاد انکے توہمات تمام امور پر جاہلیت کے اشعار یا دوسرے تاریخی ذریعوں سے روشنی ڈالی گئی ہے ایک مدعی نبوت کے زمانے کے دو پہلو بہت ہی قابل غور ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اسکے ظہور سے پہلے ان لوگوں کی کیا حالت تھی جن میں وہ ظاہر ہوا اور دوسرے یہ کہ اسنے انکے اندر کیا تبدیلی پیدا کی یا یہ کہ اسکی انتقال کے وقت ان لوگوں کی کیا حالت ہوگئی۔ ان دونوں پہلوؤں کو قرآن کریم نے مختصر مگر نہایت پر معنی الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر کی حالت کے متعلق فرمایا۔ ظھر الفساد فی البر والبحر اور پھر آپکے رفع الی اللہ سے پہلے یوں خطاب فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ گویا آپ کا ظہور کمال فساد کے وقت ہوا اور اصلاح کو کمال کی حد تک پہنچا کر آپ اپنے مولی حقیقی کی طرف واپس گئے یہ وہ روشن ثبوت ہے جو کسی نبی کی صداقت پر ہو سکتا ہے کیونکہ جس صورت میں نبی کے دنیا میں آنیکی

اصلی غرض یہی ہے کہ وہ اصلاح کرے تو سب سے اول یہی دیکھنا ضروری ہوا کہ اس کے آنے کے وقت ملک کس قدر اصلاح طلب
حالت تھی اور کیسی اصلاح اس نے کر دکھائی۔

رسوم جاہلیت کیا ہے ظہر الفساد فی البر والبحر کی تفسیر کا ایک حصہ ہے ایک حصہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ
قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے کل دنیا بگڑ چکی تھی اور اس وقت دنیا کے کسی ملک میں بھی حق کی
کی روشنی کا نور باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کو پہلے انبیاء کی طرح ایک قوم کی طرف نہ بھیجا جائے بلکہ کل
دنیا کی اصلاح کے لیے آپ کی بعثت ہو۔ بلکہ پہلے انبیاء میں تو ایک ہی وقت میں نہ صرف مختلف ممالک میں الگ
الگ انبیاء کا ہونا ثابت ہے بلکہ ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک میں بھی کئی کئی نبی ہوتے تھے جیسے کہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ
آپکے مرشد حضرت یحییٰ علیہما السلام تھے۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قوت قدسی عطا فرمائی گئی کہ جس کا دائرہ کل
دنیا کی اصلاح کو محیط ہو گیا۔ پس اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی عظیم الشان
اصلاح اور تبدیلی کر دکھائی یہ نہایت ضروری ہے کہ اول خصوصاً ملک عرب کی پہلی حالت کو دیکھا جاوے یہی
پہلی حالت اس کتاب رسوم جاہلیت میں بیان کی گئی ہے۔ اور اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
کیسی کیسی ظلمتوں کی خطرناک گھٹاؤں کو آفتاب اسلام نے پاش پاش کیا۔ یہی وہ ظلمتیں تھیں جن کے متعلق قرآن
شریف فرماتا ہے۔ ظلمات بعضها فوق بعض یعنی صرف ایک قسم کی ظلمت نہ تھی کہ عقاید ہی بگڑے ہوں
یا صرف اعمال ہی بُرے ہوں یا ملک کی تمدنی حالت ہی اصلاح طلب ہو۔ یا ملکی فساد ہی دفع کرنے کے قابل ہو۔ بلکہ
بلکہ تاریکیوں پر تاریکیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ بت پرستی کا اندھیرا۔ بدکرداریوں کا اندھیرا۔ خطرناک مظالم کا اندھیرا۔ توہمات
اور تخیلات کا اندھیرا۔ فاسد عقاید کا اندھیرا۔ خانہ جنگیوں کا اندھیرا۔ باہمی عداوتوں کا اندھیرا۔ غرضکہ کس کس اندھیرے کو
بیان کیا جاوے۔ کسی ایک بدی کو دیکھا جائے تو اسکا دور کرنا ایک انسانی طاقت سے بڑھکر کام نظر آتا ہے چہ جائیکہ
ایک شخص ۲۳ سال کے عرصہ میں ان ساری تاریکیوں کو پاش پاش کر کے ایک ملک کی کایا پلٹ دے۔

غرضکہ اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس کس قسم کے فاسد عقیدوں اور بدکاریوں اور ظلموں اور بدرسوم
اور توہمات اور تخیلات میں سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو باہر نکالا۔ روح تڑپ اٹھتی ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سے پُر ہو کر آپ پر درود اور صلوٰۃ بھیجتی ہے۔ اور آپکی قوت قدسی حیرت میں ڈالتی ہے۔

اس کتاب کے ملنے کا پتہ جو میں پہلے نہیں لکھ سکا یہ ہے۔ "دارالکتب اسلامیہ متصل کوتوالی انارکلی لاہور"
قیمت عہ ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی سب عمدہ ہے۔ ایسی کتابیں اس قابل ہیں کہ انکی قدر کر کے مصنفین کی
حوصلہ افزائی کیجاوے۔ کاش جسقدر روپیہ مسلمان ناولوں کی تصنیف اور خریداری پر خرچ ہوتا ہے اسکا
کوئی حصہ ہی مذہبی واقفیت کے پیدا کرنے میں خرچ ہو۔

اطلاع

Digitized by Khilafat Library

اس دقت کو محسوس کرکے جو ہمارے بھائیوں کو مختلف مدات کا چندہ مختلف اشخاص کے نام بھیجنے میں پیش آتی ہے۔ صدر انجمن احمدیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ یکم جنوری ۱۹۰۷ء سے ہر ایک قسم کا چندہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے۔ خواہ وہ چندہ مدرسہ کا ہو۔ یا زکوٰۃ کا روپیہ یا مقبرہ بہشتی کا چندہ یا وصیت کا روپیہ یا آمدنی کا دسواں حصہ یا عید فنڈ یا مسکین فنڈ کا روپیہ یا میگزین کا روپیہ۔ غرضکہ سوائے لنگرخانہ کے روپیہ کے جو حضرت اقدسؑ کے نام براہ راست آنا چاہیئے۔ ہر قسم کا چندہ جو قادیان میں بھیجا جاتا ہے محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام آنا چاہیئے۔ لنگرخانہ کا چندہ اگر کسی اور چندے کے ساتھ شامل کرکے بھیجنا ہو تو اختیار ہوگا کہ وہ بھی محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام ہی بھیجدیں اور محاسب اسے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کر دیگا۔ مگر اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ کوپن میں فرستندہ کا پورا پتہ خوشخط لکھا ہوا ہو اور نیز مفصل ہدایت ہو کہ کتنا کتنا روپیہ کس کس کیطرف سے کس کس مد کا ہے۔ میگزین کی قیمت ہے یا اعانت میگزین یعنی اشاعت اسلام کا روپیہ ہے مدرسہ کا روپیہ ہے یا عید فنڈ کا روپیہ ہے یا مسکین فنڈ یا یتیم فنڈ کا ہے یا بہشتی مقبرہ کا چندہ ہے یا وصیت کا روپیہ ہے یا آمدنی کا دسواں حصہ ہے یا زکوٰۃ کا روپیہ ہے یا کسی جایداد کی قیمت ہے جو رسالہ الوصیت کے ماتحت انجمن کو دیگئی ہے یا کسی مکان کا کرایہ ہے یا زمین کا محاصل ہے جو صدر انجمن احمدیہ کی ملکیت میں ہے۔ غرضکہ پورے بسط کے ساتھ کوپن میں اس امر کو واضح کرنا چاہیئے جس سے محاسب کو کسی قسم کی غلطی نہ لگے۔ تمام قوم کی رسیدیں باضابطہ دیجاوینگی اور ماہ بماہ رقوم آمدنی کسی رسالہ یا اخبار میں شایع ہوتی رہیں گی جس شخص کو باضابطہ رسید دفتر محاسب سے نہ پہنچے اُسے ضروری ہوگا کہ فی الفور اپنی مرسلہ رقم کی تحقیق کرے ایسا ہی اگر مطبوعہ رسید و نیز میں کسی قسم کی غلطی ہو یا کسی نام کا اندراج نہ ہو تو بھیجنے والے کا فرض ہوگا کہ فی الفور خط و کتابت کرے۔

المشتہر خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

نوٹ۔ اس امر کا یاد رکھنا از بس ضروری ہے کہ رسالہ الوصیۃ کے ماتحت کئی قسم کا چندہ ہے۔ شرط اول مقبرہ بہشتی کی یہ ہے کہ کچھ چندہ حسب حیثیت مقبرہ بہشتی کی زمین اور باغ اور دیگر لوازم کی طیاری کے لیے دینا ہوگا۔ سو یہ چندہ چندہ مقبرہ بہشتی کہلاتا ہے۔ دوسری شرط وصیت کی ہے کہ وصیت کرے یا جایداد کی قیمت کرکے روپیہ داخل کرے یا آمدنی کا دسواں حصہ دے۔ سو اسکو الگ سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان دونوں شرطوں کا الگ الگ پورا ہونا ضروری ہے۔

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبداللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر۔ جنہوں نے لنڈن اسٹریلیا۔ افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور انکے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہے۔ انگریزی اور یونانی دو طرح کی آنکھیں بناتے ہیں۔ ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچے گا۔ دستخط (نوردین)

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں مینجر میگزین کے اہتمام سے چھپا

اعلان — ہر ایک سامان کرکٹ ٹینس فٹ بال جمنیسٹک وغیرہ مستری نظام الدین احمدی شہر سیالکوٹ سے مل سکتا ہے مکمل فہرست مفت